

# اتحادِ اُمت

کیسے ممکن ہے



پروفیسر محمد حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

# اتحاد اُمت کیسے ممکن ہے

پروفیسر محمد حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	اتحاد امت کیسے ممکن ہے؟
مصنف	پروفیسر حبیب اللہ چشتی
زیر نگرائی	فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
تاریخ اشاعت	قاری اشفاق احمد خان
ناشر	جولائی 2008ء
تعداد	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	ایک ہزار
قیمت	AB9
	135/-

ملنے کے پتے

## ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیس :- 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فکس: 021-2210212

e-mail: sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

## فہرست

6	فرمان باری تعالیٰ
7	انتساب
9	پیش لفظ
11	تقدیم
13	سوئے منزل
16	نوعیت مسئلہ
19	نقطہ اشتراک اور اتحاد امت
22	نقطہ اشتراک اور قرآن کریم
25	نقطہ اشتراک پر اتحاد۔ ماضی کے تناظر میں
29	ترجیحات کو بدلنا
35	علامہ انور شاہ محدث کاشمیری کی نظر میں ان ترجیحات کا اثر
38	قیامت کی مسئولیت کے نقطہ نظر سے
39	ان ترجیحات کے بھیا تک نتائج کا احساس
41	مارآستیں کا فلسفہ
46	یہود و نصاریٰ کی مثال
51	دوسروں کے اکابرین کا احترام کرنا
59	حسن ظن سے کام لینا
64	حسن ظن سنت نبوی کی روشنی میں
73	کلمہ گو کو کافر و مشرک کہنے سے احتراز کرنا

- 81 اس رجحان کو بدلنے کی وجوہات
- 83 اصل ذمہ داری کا شدید احساس
- 95 وسعت مطالعہ کا شعور اور دیانت علمی
- 105 مسلک یا اسلام؟
- 107 مسلک اور اسلام
- 113 مکرم انسانیت کا شعور اجاگر کرنا
- 123 اتحاد کی تاکید اور اختلاف کی مذمت کا شعور
- 126 بنائے اتحاد و اخوت
- 126 (i) تقویٰ
- 127 (ii) قرآن کریم سے گہرا تعلق
- 129 (iii) اصل دین کا قائم کرنا
- 131 اختلاف و انتشار کے اسباب
- 131 (i) عصیان و سرکشی
- 135 (ii) باہمی حسد و رقابت
- 138 (iii) قرآن و سنت سے رسمی تعلق
- 141 اختلاف انتشار کے نتائج
- 141 (i) لا چاری و بے بسی
- 143 (ii) مقصد اصلی میں ناکامی کا سبب
- 144 (iii) رحمت الہی سے محرومی
- 145 اختلاف و انتشار کی ممانعت
- 146 (i) اختلاف کی ممانعت قرآن کریم کی روشنی میں
- 149 (ii) اختلاف کی ممانعت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

- 153 چند اہم مباحث
- 155 (i) حدیث اختلاف اور اتحاد امت
- 157 ایک شبہ کا ازالہ
- 162 اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے
- 162 کفر و ضلالت کی وضاحت
- 164 (ii) کیا اتحاد کا کوئی مشترکہ فارمولا ممکن ہے؟
- 166 (iii) الفاظ کے گورکھ دھندے اور اتحاد امت
- 166 حرف آخر۔ دعوت اتفاق و اتحاد
- 166 رائے ونڈ کی دیوبندی تبلیغی جماعت کی خدمت میں درد بھری گزارش
- 171 (iv) کیا اختلاف صرف مسلکی ہیں؟
- 173 (v) لزوم کفر اور التزام کفر
- 175 (vi) احتمالات کفر اور فتاویٰ کفر
- 177 احتمالات کفر کی عصر حاضر میں تطبیق
- 184 (v) باتیں بڑے لوگوں کی
- 191 مصادر و مراجع

فرمان باری تعالیٰ

لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا  
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

(آل عمران)

”اور تم ہرگز ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اور انہوں نے روشن نشانیاں آ جانے کے بعد اختلاف کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔“

## انتساب

ہر اس عظیم انسان کے نام  
 جس کی کوششیں  
 مسلمانوں کو کافر و شرک بنانے کی بجائے  
 اصلاح احوال اور  
 کافروں کو مسلمان بنانے میں  
 صرف ہوتی ہیں

محمد حبیب اللہ چشتی

02-05-2007



### فرمودہ قلندر

عرب کے سوز میں ساز عجم ہے  
 حرم کا راز توحید امم ہے  
 تہی وحدت سے ہے اندیشہ غرب  
 کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

علامہ قاری نور حسین صاحب، اسلام آباد

امت مسلمہ کی شان و شوکت اور بقا کے لیے اتحاد ناگزیر ہے۔ اس امت نے ہر کامیابی اتحاد کی بدولت حاصل کی اور جب بھی اسے ناکامی ہوئی تو اختلاف و افتراق کی وجہ سے ہوئی۔ اس وقت غیر مسلم اقوام کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں ان کی آزادی سلب کی جا رہی ہے ان کے وسائل پر قبضہ کیا جا رہا ہے تو اس کی وجہ اتحاد امت کا فقدان ہے۔ علمائے اسلام پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مذہبی رواداری اور اختلافی مسائل میں اعتدال کا درس دیں۔ ہمارے اسلام کا یہی طریق رہا ہے۔ علامہ پروفیسر حبیب اللہ چشتی صاحب کی شخصیت لائق تحسین ہے جنہوں نے ”اتحاد امت کیسے ممکن ہے“ کے نام سے نہایت جامع کتاب تصنیف فرما کر وقت کے اہم تقاضے کو پورا کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی اور ہمیں اتحاد کا راستہ دکھایا۔ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ جناب پروفیسر صاحب نے کتاب ہذا میں اتحاد امت کے موضوع پر قرآن و حدیث کی روشنی میں تجاویز پیش فرمائیں اور مسلم مفکرین کی آراء سے بھی استفادہ کیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اتحاد امت کا طریق یہ بتایا ہے کہ مسالک کا ترک ناممکن ہے لہذا اپنے اپنے مسالک پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کے مسالک کا احترام کیا جائے اور ان کی تضحیک و تکفیر سے اجتناب کیا جائے اکابر کا ہمیشہ یہی طریق رہا ہے کہ وہ دوسروں کے مسالک کو چھیڑتے نہیں تھے۔ پروفیسر صاحب کا دوسرا اہم نکتہ جو اس مشورہ سے پھوٹتا ہے وہ دقت نظر کی عطا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سے امت مسلمہ گروہی مناقشات میں الجھی ہے غیر مسلموں کے لیے تبلیغ و دعوت کی مساعی رکی ہوئی ہیں۔ تبلیغ و دعوت کے ناتے یہ باریک نکتہ بہت کم دانشوروں تک پہنچا ہے کہ دنیا میں وہ دین جو اپنے پیروکاروں کو تبلیغ و دعوت کا مکلف بناتا

ہے وہ اسلام ہے۔ آسمانی مذاہب میں یہودیت اور نصرانیت صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے مذاہب تھے۔ عالمی سطح پر انہی ہدایتوں سے اُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ نہیں کہا گیا تھا۔ عسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز اس زمانے سے ہوتا ہے جب وہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں مسلمانوں کے مقابل آئے۔ تب ان کے پوپ نے مسلمانوں کی برتری کا جواب دینے کیلئے تبلیغ کرنے کا حکم دیا تب سے افریقہ، ایشیاء اور بالخصوص امریکہ میں لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے تبلیغ کا آغاز کیا گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس کتاب کے ذریعے ہمیں ہمارا وہ فرض منہی بتایا ہے جس کا حکم نبی اکرم نے خطبہ حجۃ الوداع میں دیا تھا۔ ایسی کتاب کا شامل نصاب ہونا اس وقت کی خصوصاً ضرورت بن چکا ہے۔ جب کہ ملت اسلامیہ پر عالمی سطح پر دشمنان دین کی فکری یلغار کا غلبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ آج بالخصوص جب مسلمانوں کے احتجاج کو بدامنی، افراتفری اور دہشت گردی قرار دے کر انہیں اور ان کے دین کو نشانہ ظلم و تضحیک بنایا جا رہا ہے۔ ایسے میں لازم ہے کہ مسلمان علماء اسلام کی ان بنیادی شناختوں کو سامنے لائیں جو امت وسط ہونے کے ناتے اس کو متوازن امت قرار دیتی ہیں

لَنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ..... کے ناتے یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ جس امت کو اللہ تعالیٰ خیر الامم کہے اسے کون ظالم دہشت گرد قرار دے سکتا ہے۔ آج تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ خود ہمارے اپنے رہنما ہمیں اور ہمارے دینی اداروں کو مطعون کرتے اور دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے بڑی خوبی سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کتاب ہذا کا اسلوب محققانہ اور حکیمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ دل نشیں بھی ہے۔ اس کا ہر لفظ قاری کے دل و دماغ میں اترنا چلا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت پروفیسر صاحب کے فیض علم کو بذریعہ قلم تادیر جاری و ساری رکھے۔ اور اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے (آمین)

نور حسین

ناظم اعلیٰ جامعہ بہار مدینہ جی ٹی ٹن فور، اسلام آباد

## تقدیم

علامہ پروفیسر محمد نواز۔ گورڈن کالج، راولپنڈی

اسلامی تعلیمات کا ایک مقصد اصلی وحدت اور یگانگت بھی ہے۔ کیونکہ گردہ بندی اور فرقہ پرستی حقائق تسلیم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور علمی اور عملی سرگرمیوں کا رخ ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَسَازَعُوا فَمَا تَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال: ۴۶)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں کبھی نہ جھگڑو ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہارا رعب و دبدبہ اور شہرت ختم ہو جائے گی۔“

سیاسی وحدت کی بنیاد مذہبی اور فکری وحدت ہوتی ہے۔ اگر یہ بنیاد اور اساس کمزور ہو جائے تو سیاسی وحدت ناممکن ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر ہم آج پوری دنیا میں عالم اسلام پر دیکھ سکتے ہیں۔ مسلمان پوری دنیا میں سواارب ہونے کے باوجود اپنی حیثیت منوانے سے قاصر نظر آتے ہیں ہمارے ہاں ہمیشہ مذہب اور اصلاح کے نام سے فرقے معرض وجود میں آتے ہیں اور اپنے نظریات و افکار کا پرچار کرتے ہیں۔ متقدمین اور اپنے نظریات کے حریف فرقوں پر کچڑا اچھالنے اور ان کی غلطیاں اور کمزوریاں تلاش کرنے میں شب و روز صرف کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر فرقہ والا خود کو درست اور دوسرے فرقے والوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں اسی اصلاح کے نام سے تقریر، تبلیغ اور تحریر کے ذریعہ فساد پھیلا یا جاتا ہے۔

اتحاد امت کے لیے کوشاں رہنے کی بجائے انتشار امت پر تحریری لٹریچر بہت لکھا گیا ہے۔ لیکن اتحاد امت کے لیے اور اختلافات کو کم کرنے کے لیے تحریری مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔ برادر مکرّم پروفیسر حبیب اللہ چشتی کی کتاب ”اتحاد امت کیسے ممکن ہے“ خلیج کو

پر کرنے کی ایک کڑی ہے جس کے مسودے کا مطالعہ کرنے کا مجھے موقع ملا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ:

- ۱۔ مؤلف نے اختلافی مسائل کی حیثیت اور درجے کو واضح کیا ہے۔
- ۲۔ اختلاف کی نوعیت بیان کرنے کے بعد اعتدال کی راہ اپنانے کا طریقہ بھی تجویز کیا ہے۔
- ۳۔ ان اختلافی مسائل کا تعلق زیادہ تر برصغیر بالخصوص پاکستانی علاقے سے ہے۔ میرے خیال کے مطابق فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر اور حقیقت پسندانہ نقطہ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ تو مسلکی اور فرقہ دارانہ غلو میں کمی ان شاء اللہ ضرور آئے گی۔

پروفیسر محمد نواز

09-01-2008

## سوئے منزل

”اتحاد امت کیسے ممکن ہے؟“ سے میری مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ مجھے کوئی ایسا فارمولہ مل گیا ہے جس کی وجہ سے امت اپنے اپنے مسلکی تشخصات کو چھوڑ کر صرف اسلام کے حوالے سے اپنا تعارف کروائے گی۔ تمام مسلکی تفریقیں ختم ہو جائیں گی اور سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے کاش ایسا ہو سکتا۔ کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اپنا تشخص مسلک کو نہیں اسلام کو بناتا! وہ منظر روح پرور اور ایمان افروز ہوتا جب قوم حجاز ایک ہی امام کی اقتداء میں سجدہ ریز ہوتی۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ایسا کر بھی سکتا ہے لیکن زمینی حقائق یہ کہتے ہیں کہ بشری استعداد کی حد تک یہ کام تقریباً ناممکن ہو چکا ہے صدیوں پر محیط مسلکی خلیج ختم کرانا الفاظ کی حد تک تو شاید ممکن ہو لیکن حقیقت کی دنیا میں ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔

”اتحاد امت کیسے ممکن ہے؟“ سے میری مراد یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے مسلک پر عمل پیرا رہے لیکن آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ اپنی صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے کی بجائے کفر اور طاغوت کے مقابلے میں خرچ کی جائیں۔ اختلاف بے شک رہیں لیکن ہر کوئی اس اختلاف کو صرف دلیل کا اختلاف سمجھے۔ اور ایک ایسی فکر پروان چڑھے جس کے سبب امت مسلمہ کی ترجیحات بدل جائیں یعنی وہ کسی مسلمان کو کافرو مشرک ثابت کرنے کو کمال نہ سمجھے بلکہ کسی کافر کو مسلمان کرنا کمال سمجھے۔ جو بندہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اسے دلائل دے کر کافر و مشرک ثابت کرنے میں اپنا وقت اور صلاحیت برباد نہ کرے بلکہ جو کہے کہ میں کافر ہوں میں اسلام کو دہشت گرد مذہب سمجھتا ہوں اسے حقیقی اسلام کی تعلیمات کا گرویدہ بنانے میں اپنا وقت اور صلاحیت صرف کرے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب دوتا ہے

مرا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی (اقبال)

ہمیں اس حقیقت کا کبھی بھی انکار نہیں کرنا چاہئے کہ مسلک دین کی ایک ذیلی تقسیم ہے جب سے امت مسلمہ میں دین کی بجائے مسلک کے لیے کام کرنے کی فکر پروان چڑھی ہے تو امت مسلمہ کے قیام کا اصل مقصد نہ صرف یہ کہ ہم اس کے لیے کام نہیں کرتے (الا ما شاء اللہ) بلکہ ہمیں وہ کام کرنے کا احساس تک باقی نہیں رہا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

(اقبال) کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

امت مسلمہ کے وجود کا سبب دو چیزیں ہیں ایک اپنے میں پائی جانے والی بے عملی کو ختم کرنا اور دوسرا پوری دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچانا۔ پہلی چیز کو اصلاح اور دوسری کو دعوت کہا جاسکتا ہے۔ بحث میں بات کو الجھا دینا اتنا ہی آسان ہے جتنا کسی چیز کو حل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہاں بھی لفظوں کے گورکھ دھندوں میں بات کو الجھایا جاسکتا ہے لیکن اس حقیقت کا انکار ناممکن ہے کہ جب سے ہم نے دین کی بجائے مسلک کے لئے کام شروع کیا ہے ہم اپنے مقصد اصلی سے غافل ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تو ہر دور میں پائے جاتے ہیں جس دن وہ نہ رہے کائنات نہیں رہے گی۔ عمومی مزاج یہی بن گیا ہے کہ کفر ارض کے ترک اور محرمات کے ارتکاب پر ندامت نہیں ہوتی لیکن ذوقی مستحبات کے ترک اور مکروہات کے ارتکاب پر قتل و غارت تک نوبت آ جاتی ہے۔ اور غیر مسلموں تک اسلام پہنچانا تو ہمارے شیڈول سے ہی خارج ہو چکا ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

اس کتاب کا مقصد صرف یہی ہے کہ امت مسلمہ آپس میں اتفاق و اتحاد سے رہے اور اپنی صلاحیتوں کو اپنے مقصد اصلی پر صرف کرے۔ اتحاد سے مراد انضمام نہیں ہے کیونکہ اس کی تمنا کے باوجود وہ ممکن نظر نہیں آتا اتحاد سے مراد صرف اتحاد ہی ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے مسلک پر کار بند رہے علمی گفتگو کا سلسلہ نہ صرف روا بلکہ مستحسن ہے۔ لیکن ایک دوسرے کو احترام کی نظروں سے دیکھا جائے۔ اور اپنی صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کی بجائے کافروں کو مسلمان کرنے اور مسلمانوں کی بے عملی ختم کرنے میں

صرف کی جائیں۔

اس کتاب میں ایسی متعدد چیزوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جو اس مقصد کے حصول میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس فکر کو اجاگر کرنے کیلئے مختلف زاویوں سے گفتگو کی گئی ہے۔ عظیم لوگ بلا سوچے سمجھے کسی بھی چیز کو رد نہیں کر دیا کرتے بلکہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرتے ہیں۔

ع شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

اس میں جو حق اور صواب وہ محض فضل باری تعالیٰ، نبی کریم ﷺ کی نظر رحمت، معزز اساتذہ کرام اور میرے والدین کی دعاؤں کا صدقہ ہے اور اس میں جو غلطی اور نقص ہے وہ صرف اور صرف میری کم علمی اور قلت مطالعہ کے سبب ہے جس کا ذمہ دار میں اور صرف میں ہوں۔ میری معزز قارئین سے التماس ہے کہ اس سلسلہ میں مجھے اپنی قیمتی آراء سے نوازیں۔ میں ہمیشہ اس بندے کے لئے دعا گو رہتا ہوں جو مجھے میری خامیوں سے مطلع کرتا ہے۔

ان گزارشات کو کوئی اور رنگ دینا اصحاب درد کا شیوہ نہیں ہے۔ یہ صرف ایک ٹوٹے ہوئے دل کی پکار ہے۔ کسی غیر کی نہیں آپ کے ایک اپنے خادم کی۔ میں علامہ قاری نور حسین صاحب اور پروفیسر محمد نواز صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مسودہ کو پڑھا اور مجھے مفید مشوروں سے نوازا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اختلاف و انتشار کے شر سے محفوظ رکھے اور وحدت امت کا سفیر بنائے۔ میری یہ ٹوٹی پھوٹی چاکری قبول کرے اسے میرے لیے اور میرے جملہ کرم فرماؤں کے لئے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

محتاج دعا

محمد حبیب اللہ چشتی

ایف۔ جی۔ پوسٹ گریجویٹ کالج H-8 اسلام آباد

11 ربیع الثانی 1428ھ بمطابق 30 اپریل 2007

Ph: 0333-5233646



## نوعیت مسئلہ

اگر ملت اسلامیہ متحد ہوتی تو آج اس کا خون اتنا ارزاں نہ ہوتا۔ اگر اختلاف و انتشار نے اسے پارہ پارہ نہ کیا ہوتا تو باطل کبھی بھی اس کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکتا۔ اگر فرقہ بندی نے اس کی وحدت کو کھوکھلا نہ کیا ہوتا تو آج اس کی زبوں حالی کا یہ حال نہ ہوتا جس کا تصور کر کے دل خون کے آنسو روتا ہے، آنکھیں پتھر اجاتی ہیں اور بدن کے روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امت مسلمہ جو مختلف فرقوں میں بٹ کر اپنا تشخص کھورہی ہے۔ اسے وحدت کی لڑی میں کیسے پرویا جاسکتا ہے؟ اسے اتفاق و اتحاد کی دولت گم گشتہ واپس کیسے مل سکتی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ امت اپنے اپنے فرقے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کے لئے کام کرے۔ اس کی ترجیح دوسرے فرقے کو زیر کرنا نہ ہو بلکہ باطل کا قلع قمع کرنا ہو۔ امت مسلمہ کے افراد مختلف دائروں سے نکل کر ملت کے وسیع تر مفاد کے لئے سوچیں۔

یہی وہ سوالات ہیں جو ہر اہل دل کو مضطرب کر دیتے ہیں۔ اس کی یہ آرزوئیں اسے کچھ کرنے پہ مجبور کرتی ہیں لیکن زمانے کا ڈگر اور حالات کا رخ دیکھ کر وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ انسان کو یہ حقیقت کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ میرا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ نتائج اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں۔ میرا کام صرف محنت کرنا ہے دلوں کو پھیرنا میرے مولیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ ہر انسان اپنی سطح تک جواب دہ ہے۔ اگر ہر انسان درج ذیل چیزوں کو فروغ دے تو امت مسلمہ متحد ہو سکتی ہے۔ اختلاف و انتشار کی آگ بجھ سکتی ہے۔ اور مسلمانوں کی سوچ اتنی اعلیٰ اور بلند ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے فرقے کو زیر کرنے کے لئے کام نہ کرے بلکہ اسلام کی سر بلندی اور باطل کو بے دست و پا کرنے کے لئے اپنی کوششیں صرف کرے۔

وہ چیزیں جو امت کو اتحاد و یگانگت کی دولت گم گشتہ دے سکتی ہیں۔ جو اسے وحدت کی

لڑی میں پرو سکتی ہیں۔ اگر وہ چیزیں ہمارے دلوں میں اتر جائیں اور ہمارے لیے مشعل راہ بن جائیں تو امت مسلمہ اختلاف و انتشار کے بھڑکتے شعلوں سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ اصل چیز انسان کے نظریات و افکار ہوتے ہیں اس کے اعمال اور افعال تو نظریات کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے نظریات و افکار میں یہ چیزیں اتر جائیں تو ان شاء اللہ ہم اتحاد و یگانگت کی فضا پھر سے استوار کر سکتے ہیں اور ملت اسلامیہ کی ساری صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لیے نہیں بلکہ باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے اور کفر کی کمر توڑنے کے لئے استعمال ہوں گی۔ اور اس اتفاق و اتحاد کی برکات سے پورا عالم مستفیض ہوگا۔

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام وجود  
پھر جبین خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی  
آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک  
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

(اقبال)

آئیے ملت اسلامیہ کو وحدت کی لڑی میں پروانے والی چند دلربا حقیقتوں پر غور کریں اور انہیں دل و نگاہ میں بسائیں تاکہ ہم اس نعمت گم گشتہ کو پا سکیں اور امت میں نفرتیں ختم کر کے محبتوں کو فروغ دے سکیں۔

دوستو! اب فکر کرو ساحل کی  
 ہو چکا تذکرہ کشتی و طوفاں کافی

## نقطہ اشتراک اور اتحاد امت

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا  
وَبَيْنَكُمْ

(آل عمران: 64)

”آپ فرمائیے۔ کراے الی کتاب اس ایک ٹھوس بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور  
تم میں مشترک ہے۔“

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک      ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک  
 حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک      کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک  
 فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں  
 کیا زمانے میں چننے کی یہی باتیں ہیں

ملت اسلامیہ کا کوئی بھی فرقہ ہو اور کوئی بھی مسلک ہو اسے کسی بھی دوسرے فرقے اور مسلک سے جتنا بھی شدید اختلاف ہو۔ لازمی طور پر ان میں بہت سی چیزوں میں اتفاق بھی ہوگا جب کہ مخالف مسلک کے علاوہ اس دنیا میں لاکھوں ایسے انسان پائے جاتے ہیں جو کسی بھی بات میں اس سے متفق نہیں ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اپنے باہمی نظریاتی اور جزوی اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی کوششیں ان کے خلاف صرف کریں جو مکمل طور پر ہم سے مختلف ہیں اور کسی بات میں بھی ہم سے اتفاق نہیں رکھتے۔

عملی طور پر ہم اس بات کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ مثلاً دیوبندی اور بریلوی دو مسالک ہیں۔ ان میں بہت سی باتوں پر نظریاتی اختلافات ہیں مثلاً علم غیب، حاضر ناظر اور مسئلہ نور و بشر وغیرہم بجا کہ یہ اختلافات ہیں اگر میں یہ کہوں کہ یہ سارے اختلافات ظنی ہیں تو شاید بات کو پھر الجھا دیا جائے اس لیے میں اس بحث میں پڑے بغیر تسلیم کرتا ہوں کہ یہ اختلافات ہیں لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان میں بہت سی باتوں میں اتفاق بھی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں رسول کریم ﷺ کو نبی برحق مانتے ہیں۔ آخرت کو مانتے ہیں فرشتوں کو مانتے ہیں گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانتے ہیں اور دونوں مسالک حنفی ہیں جب کہ دنیا میں ایسے لاکھوں انسان موجود ہیں جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ قرآن کو نہ آخرت کو اور نہ ہی فرشتوں کو۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم یہ سوچ لیں کہ اگر اس کا مجھ سے پانچ باتوں میں اختلاف ہے تو دس باتوں میں اتحاد بھی ہے تو میں ایسا کیوں نہ کروں کہ اس بندے کے خلاف اپنی توجہ مکمل طور پر مبذول کروں جو میرے دین کا مکمل طور پر دشمن ہے؟

اہل حدیث کے احناف سے اختلاف ہیں کچھ اختلاف تو وہی ہیں جو دیوبندی اور بریلوی حضرات میں ہیں جنہیں ہم نظریاتی اختلافات کہہ سکتے ہیں اور کچھ اختلافات عملی یا فقہی نوعیت کے ہیں اگر اہل حدیث حضرات سارا زور غیر اہل حدیث کو ہی مشرک ثابت

کرنے پہ لگا دیں گے تو ان کروڑوں مشرکوں کو اسلام کا نور کون پہنچائے گا جو درحقیقت مسلمان نہ ہونے پہ فخر کرتے ہیں اور الحاد یا شرک پر نازاں ہیں۔ اگر بریلوی حضرات اپنی ساری کوششیں دوسروں کو کافر کہنے پر ہی صرف کر دیں تو ان کروڑوں کافروں کو اسلام کا سچا پیغام کون پہنچائے گا جو عقیدہ نبوت کو ایک ڈھونگ اور عقیدہ توحید کو تو ہم پرستی کا نام دیتے ہیں۔

اہل شیعہ اور اہل سنت کے اختلافات صدیوں سے چلے آرہے ہیں نظریاتی طور پر اہل شیعہ اہل سنت کو جو بھی سمجھیں اور اہل سنت اہل شیعہ پر جو بھی فتویٰ لگائیں اس کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں ایسے کروڑوں انسان موجود ہیں جو اہل سنت کے لیے اہل شیعہ سے کہیں بڑھ کے اختلاف رکھتے ہیں اور اہل سنت کے لیے اہل شیعہ سے کہیں بڑھ کے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اہل سنت اور اہل شیعہ میں اصولی اختلافات موجود ہیں لیکن ان میں بھی توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ اور اہل بیت کی تعظیم و تکریم میں اتفاق ہے جب کہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو کسی ایک مسئلہ میں بھی ان سے اتفاق نہیں کرتے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپس میں متفق علیہ عقائد کو ترجیح دے کر ساری توجہ ان پر مرکوز کی جائے جو کسی ایک بات میں بھی اتفاق نہیں کرتے۔

مسلمی اور گروہی اختلافات کے حل صدیوں سے نہیں ہوئے تو آج بھی نہیں ہوں گے میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ”نظریاتی کفر“ سے توجہ ہٹا کے ”قطعی کفر“ پہ مرکوز کر دی جائے۔ اور ہماری وہ کوششیں جو ایک دوسرے کو زیر کرنے میں صرف ہوتی ہیں کفار و مشرکین کے خلاف خرچ ہوں۔

نقطہ اشتراک اور قرآن کریم

قرآن مجید میں اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی گروہ کا دوسرے گروہ سے اختلاف بھی ہو لیکن چند باتوں میں اتحاد بھی ہو تو آپس کے اختلافات سے صرف نظر کرتے ہوئے انہیں چاہیے کہ وہ آپس میں اس نقطہ اشتراک پر اتحاد کر لیں اور اپنی توجہ ان لوگوں پر مرکوز کر دیں جو کسی بات میں بھی ان سے اتفاق نہیں کرتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں سے اہل اسلام کے بنیادی اختلافات ہیں ظاہر ہے اگر رسالت پر ایمان نہ ہو تو کسی بھی انسان کے مومن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہودی اور عیسائی حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ایک لحاظ سے کافروں میں ہی شریک ہوتے تھے لیکن بت پرستوں اور مشرکین کی نسبت سے ان میں ایک بات مسلمانوں کے قریب تر تھی اور وہ عقیدہ توحید تھا اگرچہ انہوں نے عقیدہ توحید کو بھی مسخ کر دیا تھا لیکن بت پرستوں اور مشرکین کی نسبت ان میں کچھ نہ کچھ تو پایا جاتا تھا جو مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے لڑائی نہ کرنے کا معاہدہ اسی نقطہ اشتراک پر کرلو۔ تاکہ اپنی کوششیں ان کے خلاف صرف کی جاسکیں جو مذہب کے ہی منکر ہیں تو حید اور آخرت کو تو ہم پرستی کہتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ  
إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أُمْرًا بآئِينَ  
دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

”(اے نبی! ﷺ) آپ فرمائیے کہ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم اور تم میں مسلم ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو کسی طرح بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو پروردگار نہ بنائے۔ پھر اگر یہ لوگ اس سے پھر جائیں تو تم ان سے کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (آل عمران: 64)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نقطہ اشتراک پر جو اتحاد کا ضابطہ دیا ہے۔ وہ قیامت تک کہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے کہ کسی مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اس گروہ سے اتحاد کر لیا جائے جو تم سے کچھ باتوں میں متحد ہے اگرچہ تمہارا اس سے اختلاف بھی ہے اس ضابطہ کا انطباق کسی بھی موقع پر ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

هذا الخطاب يعم اهل الكتاب من اليهود والنصارى و



من جری مجراہم (1)

”یہ خطاب عام ہے یہود نصاریٰ بھی اس میں شامل ہیں اور ان کے علاوہ جو بھی اس حیثیت میں ہو وہ بھی اس میں شامل ہے۔“

مدینہ منورہ میں یہود سے ”میثاق مدینہ“ کا معاہدہ اسی اصول کے تحت قرار پایا تھا۔ جسے بعد میں خود یہود نے توڑا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر ایک نقطہ اشتراک کی بنا پر یہود و نصاریٰ سے معاہدہ ہو سکتا ہے تو سینکڑوں نقطہ ہائے اشتراک کی بنا پر مسلمانوں کے باہمی مسالک کا آپس میں اتحاد کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگرچہ یہود و نصاریٰ بھی ایک لحاظ سے کافر تھے لیکن ان سے بڑے کافر دنیا میں موجود تھے اس لیے ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر کے بڑے اور مشترک دشمن کی طرف متوجہ ہونا بھی سنت نبوی ہے۔ موقع کی نزاکت کا گہرا احساس کرنے والا بھی حضور اکرم ﷺ کی ایک سنت پر عمل کرے گا۔

اس آئیہ کریمہ کا آخری جملہ بھی بہت زیادہ توجہ کا مستحق ہے کہ وہ ”اگر وہ پھر میں تو تم کہو کہ ہم مسلمان ہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اتفاق اور معاہدہ انضمام نہیں ہوگا یعنی معاہدہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان یہودی ہو گئے یا یہودی مسلمان ہو گئے۔ ہر کوئی اپنے مذہب پر قائم ہے معاہدہ صرف بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہے۔ ماضی میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کے مختلف مسالک کا کوئی اتحاد ہوا۔ اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ سب نے الگ الگ جماعت کروا کے نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے اس پر پھبتیاں کیں کہ یہ کیسا اتحاد ہے کہ یہ اکٹھے نماز بھی نہیں پڑھتے۔ جب کہ اس میں کوئی بھی تعجب والی بات نہیں تھی۔ اتحاد تو صرف اس لیے تھا کہ ہم آپس میں لڑائی نہیں کریں گے اور اپنی ساری توجہ مشترک دشمن پر صرف کریں گے۔ اتحاد مختلف مسالک کا انضمام نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک بڑے دشمن کے خلاف یکجہتی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ کبھی ایسا وقت بھی آجائے کہ تمام مسالک اپنے متنازعہ عقائد چھوڑ کر کسی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔ وہ منظر قابل نظارہ ہوگا۔ لیکن کم از کم

یہ تو ہو سکتا ہے ہر بندہ اپنے مسلک پر رہے لیکن اس کی جدوجہد دوسرے مسلک کو زیر کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ اس دشمن کو زیر کرنے کے لیے ہو جو سب کا مشترک دشمن ہے۔ اس اتحاد کی عملی صورت کیا ہوگی۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”جو اتحاد مطلوب و مقصود ہے۔ اس کے لیے صرف اصل و اصول کا اشتراک بالکل کافی ہے۔ فروغ بلکہ غیر اہم اصول کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں انضمام اور چیز ہے (اور اس پر کوئی بھی فرقہ کیوں راضی ہونے لگا) اور اتحاد کی دعوت تو قرآن مجید نے غیر مسلموں (یہود و نصاریٰ) تک کو دی ہے یہ کہہ کر کہ توحید کو بطور نقطہ اشتراک قبول کر لو، اور ان کے دوسرے عقیدوں سے کوئی بحث ہی نہیں رکھی۔ اور مدینہ آ کر یہود سے تو رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ اتحاد قائم کر ہی لیا تھا۔ یہ طے کر لیجئے اس پر سختی سے جم جائیے۔ تو اتحاد و مصالحت کی صورت بالکل آسان ہو جاتی ہے نقطہ اشتراک و اتحاد اقرار شہادتین ہے۔ یعنی اقرار توحید و رسالت مسئلہ امامت و تفصیل صحابہ وغیرہ گواہی جگہ اہم ہیں۔ لیکن توحید و رسالت کی طرح اور وحدت کلمہ و قبلہ کی طرح بنیادی چیزیں نہیں جزئیات کی طرف جائیے گا تو خود اہل سنت کے ہاں کتنے فرقے اور تفریقیں نکل آئیں گی۔“ (1)

### نقطہ اشتراک پر اتحاد ماضی کے تناظر میں

نقطہ اشتراک کی بنیاد پر ہونے والا اتحاد کوئی انہونی چیز اور افسانہ نہیں بلکہ اسلام کی پہلی تاریخ سے قطع نظر کرتے ہوئے ماضی قریب میں ہمیں اس کی دو بڑی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

ایک مثال تحریک پاکستان کی ہے جس میں تمام مسلمان اپنے اپنے مسلک اور فرقہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلم لیگ کے ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ کسی نے بھی اپنا مسلک چھوڑا نہیں تھا۔ سنی سنی تھا، شیعہ شیعہ تھا، دیوبندی دیوبندی تھا اور بریلوی بریلوی تھا۔ لیکن ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے آپس میں جنگ و جدل چھوڑ کر صرف مسلمان ہونے کے ناطے ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ دیوبندی مکتبہ فکر کی

اکثریت مسلم لیگ کے جھنڈے تلے نہیں آئی۔ کانگریس کی حامی رہی یہ تنقید نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن اس کا سبب مسلکی اختلاف نہیں تھا کہ یہاں بریلوی ہیں اس لیے دیوبندی نہیں آئیں گے۔

بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف سیاسی نقطہ نظر تھا۔ مجھے اس کے صحیح یا غلط ہونے سے بحث کرنا یہاں مقصود نہیں۔ میں صرف اور صرف یہ اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ تحریک پاکستان کے وقت تمام فرقے اور مسلک اپنے گروہی اور مسلکی اختلافات کو بھلا کر وحدت دیگانگت کا ایک عملی مظاہرہ کر چکے ہیں۔ کیونکہ انہیں ایک مشترک اور بڑے دشمن سے واسطہ تھا۔

اس وحدت دیگانگت کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز کی مکاریاں اور ہندو بنیا کے تمام ترکرو فریب دھرے کے دھرے رہ گئے اور مملکت خدا داد پاکستان معرض وجود میں آگئی جو صرف اور صرف دو قومی نظریہ یا اسلامی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی تھی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی پاور ہے۔

مسلک و فرقہ کی تقسیم فراموش کر کے صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی بنیاد پر اتحاد دیگانگت کا دوسرا عملی اور قابل دید مظاہرہ تحریک ختم نبوت کے دنوں میں ہوا۔ قادیانی مذہب کی بنیاد کوئی صرف مذہبی بنیادوں پر نہیں رکھی تھی۔ بلکہ یہ مکمل طور پر امت مسلمہ کو رسالت سے دور کر کے انہیں انگریز کا وفادار بنانے کا منصوبہ تھا۔ اور یہ فتنہ تاریخ اسلامی کا سب سے بڑا فتنہ تھا کیونکہ اس کی پشت پر انگریز کے تعاون کا بہت بڑا مضبوط ہاتھ تھا اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد بد قسمتی سے اس تحریک کا مرکز پاکستان بن گیا تھا اگر اس کی تردید میں امت مسلمہ تمام باہمی اختلافات کو یکسر فراموش کر کے وحدت دیگانگت کا ثبوت نہ دیتی تو امت مسلمہ کا تشخص ختم ہو جاتا۔ اور مسلمان اپنے آپ کو مسلمان تو ضرور کہتے لیکن وفادار انگریز کے ہوتے اور ”نعتیں“ مرزا غلام احمد قادیانی کی پڑھتے۔ اور حضور اکرم ﷺ سے محبت اور غلامی کی نسبت جو کہ من حیث القوم ان کے ناقابل شکست ہونے کا راز تھی اس کا وجود ختم ہو جاتا اور امت مسلمہ ایک ایسا وجود ہوتی جس میں روح نہ ہو اور ایک ایسا

پھول ہوتی جس میں خوشبو نہ ہو۔ قادیانیت کی بنیاد ہی اس مقصد کے لیے رکھی گئی تھی کہ!

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال لو

(اقبال)

ان دردناک اور انتہائی نازک حالات میں امت مسلمہ نے اپنے اپنے مسلکی اور گروہی اختلافات کو پیچھے رکھا اور ایک عظیم مقصد کے لیے سب اکٹھے ہو گئے۔ امت مسلمہ نے جو اتحاد و یکجہتی کی عبارت لکھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا اجر یہ دیا کہ قادیانیت اپنے انجام کو پہنچی کافر کو کافر قرار دے دیا گیا۔ اگر نقطہ اشتراک پر اتحاد کا یہ مظاہرہ نہ ہوتا تو زمینی حقائق یہ کہتے ہیں کہ امت اپنے اس اعلیٰ مقصد کے حصول میں کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکتی۔ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کو بھی اس مسئلہ میں تیسری مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

اگر ان موقعوں پر ہر کوئی اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے صرف بنیادی عقائد کے اشتراک پر توجہ مبذول کر کے اتحاد کر سکتا ہے تو آج بھی حالات بڑے گھمبیر ہو چکے ہیں۔ چشم تصور سے پوری دنیا میں امت مسلمہ کے حالات پر غور کریں تو منظر بڑا دکھ بھرا اور کرہناک ہے حالات کا نظارہ کرتے ہوئے نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

عالم کفر بھر پور قوت سے عصر حاضر کی ”صلیبی جنگ“ چھیڑ چکا ہے۔ ملت اسلامیہ کا خون بہت ارزاں تصور کیا جا رہا ہے یورپ مختلف حربوں سے فرقہ پرستی کی اس آگ کو مزید بڑھکا کے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ان نازک ترین اور انتہائی حساس حالات میں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم آپس کے نزاعی مسائل کو اپنی حد تک رکھیں۔ اور متفقہ عقائد جو کہ دین کی اساس ہیں۔ انہیں پر ساری توجہ مرکوز کر لیں۔ تاکہ ہماری صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کی بجائے باطل اور الحاد کے خلاف استعمال ہوں اور ملت اسلامیہ نہ صرف خود امن و سلامتی سے جیئے بلکہ زمانے میں محبت و آشتی کی شمع روشن کر سکے اور ان ظلم و ستم کے اندھیروں کو مٹا

سکے جن میں ہوس کے پجاریوں نے دنیا کو دھکیل دیا ہے۔

آئیے اس موڑ پر ٹھنڈے دل اور مکمل احساس کے ساتھ غور کریں اور اپنی زندگی کا لائحہ عمل ”نقطہ اشتراک“ کے اصول پر طے کر لیں۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے

شاید کے اتر جائے تیرے دل میں میری بات

(اقبالؒ)

## ترجیحات کو بدلنا

الْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ وَالْإِسْلَامُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ (الحديث)  
 ”کفر ایک ملت ہے اور اسلام ایک ملت ہے“

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات  
 اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگزر

(اقبال)

وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی  
 فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زن طلسم مجاز ہو جا  
 یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزاری کر رہے ہیں گویا  
 بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہو جا

(اقبال)

یہ نقطہ اشتراک پر اتحاد کی ہی دوسری تعبیر ہے۔ ایک اور پہلو سے اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اس سے مراد ہے کہ اگر امت بالخصوص اس کے ارباب حل و عقد اپنی ترجیحات بدل لیں تب بھی ملت اسلامیہ میں اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ افتراق و انتشار کی بھڑکتی آگ بجھ سکتی ہے۔ اور امت باہمی جنگ و جدل سے محفوظ ہو کر پوری دنیا میں اقامت دین کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہے جو کہ اس امت کے وجود کا مقصد اصلی ہے۔

ہر انسان اپنی زندگی ترجیحی کے اصول کے مطابق گزارتا ہے وہ ہمیشہ ایک بڑے نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹے نقصان کو قبول کرتا ہے ایک بڑے فائدہ کو پانے کے لئے چھوٹے مفادات قربان کرتا ہے مثلاً ایک انسان کو پیسہ بڑا محبوب ہوتا ہے وہ اسے حاصل کرنے کے لئے اپنا آرام قربان کرتا ہے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اپنی جان بچانے کے لئے اپنی جان کو پیسے پر ترجیح دیتا ہے اور پیسہ قربان کر دیتا ہے اور اگر کبھی اس کی عزت پر حرف آ جائے تو اپنی جان پر عزت کو ترجیح دے دیتا ہے اور اپنی عزت پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے اور اگر کبھی اس کی عزت اور اس کے ایمان میں تقابل ہو جائے تو وہ اپنی عزت پر اپنے ایمان کو ترجیح دے دیتا ہے۔ ایمان بچا لیتا ہے اور عزت کی قربانی دے دیتا ہے قس علیٰ ہذا۔

اتحاد قائم کرنے کے تناظر میں ترجیحات کو بدلنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے نظریات پر قائم رہتے ہوئے اپنی توجہ ان لوگوں پر مرکوز کی جائے جو آپ کے سب سے بڑے دشمن اور آپ کے نظریات کے سب سے بڑے مخالف ہوں۔ اگر ایک مسلک کے نزدیک دوسرا مسلک گمراہ ہے یا بالفرض کافر ہے۔ لیکن بہر حال اس کی گمراہی یا اس کا کفر ظنی ہے یعنی آپ کو دلائل سے ثابت کرنا پڑے گا کہ تو کافر ہے۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو مومن ثابت کرے گا یعنی وہ ثابت کرے گا میں مومن ہوں اور مجھے اللہ کا بندہ اور حضور اکرم ﷺ کا امتی ہونے پر فخر ہے جب کہ آپ ثابت کریں گے کہ نہیں تو کافر ہے۔ تو مشرک ہے۔



امت کو مار ڈالا کافر بنانا کے

اسلام ہے فقیہو! ممنوں بہت تمہارا

جب کہ اس کے مقابلے میں لاکھوں بندے ایسے پائے جاتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے رسالت و آخرت کے منکر ہیں جن کے نزدیک مذہب ایک توہماتی چیز ہے۔ ترجیحات بدلنے سے مراد یہ ہے کہ ان کافروں کی طرف توجہ دی جائے جن کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اسلام کے نام سے بدکتے ہیں اور اسے لٹیروں کا کوئی گروہ سمجھتے ہیں۔ کلمہ گو کو پہلے مشرک یا کافر ثابت کرنا اور پھر اس پر اپنی کوششیں صرف کرنا اور ان لاکھوں کافروں کو کچھ نہ کہنا جو اسلام سے متنفر اور کفر و شرک پر نازاں ہیں۔ یہ بھلا کہاں کی حکمت ہے اور یہ دانش مندی کی کون سی قسم ہے جو اسلام کا جتنا بڑا دشمن ہے اتنا ہی ہماری توجہ کا مستحق ہے۔

بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات

سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

(غالب)

لیکن یہاں گڑگا ہی الٹی بہہ نکلی ہے کافروں کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ تو کافر اور مشرک ہیں جہنم کا ایندھن ہیں۔ اگر آپ کی پاک و مطہر آوازاں کے کانوں میں چلی گئی تو یہ اس کے تقدس کے منافی ہوگا اور آپ کی آواز نا پاک ہو جائے گی۔ اس کے برعکس پہلے مسلمانوں کو مشرک ثابت کیا جاتا ہے اور پھر ان سے جنگ و جدل کے بازار گرم کیے جاتے ہیں۔

وائے نا کامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(اقبال)

ہم اس حقیقت کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فرض کریں کہ ایک بندے کو آپ کہتے ہیں کہ تو گستاخ رسول (ﷺ) ہے۔ وہ کہتا ہے نہیں میں تو حضور اکرم ﷺ کا امتی ہوں۔ ان کی شفاعت کا امیدوار ہوں۔ وہ میرے آقا ہیں میں ان کا ادنیٰ غلام

ہوں۔ آپ کہتے ہیں نہیں۔ پھر آپ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تو گستاخ ہے اور وہ دفاع کرتا ہے کہ میں گستاخ نہیں ہوں آپ کی اس جدوجہد کے وقت دنیا میں یقیناً کروڑوں انسان ایسے موجود ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی تعظیم نہ کرنے پہ نازاں ہیں۔ جو آپ کی نبوت کو صدق پر مبنی نہیں مانتے خدا را فرمائیے آپ کی توجہ کے زیادہ مستحق کون ہیں وہ جنہیں آپ گستاخ ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں یا وہ جو گستاخ ہونے پہ نازاں ہیں اور رسالت سیدنا محمد ﷺ کے منکر ”ظنی کافر“ یا ”قطعی کافر“ اگر عقل سلیم اور احساس شعور کا فیصلہ یہی ہے اور یقیناً ہے کہ جو گستاخ ہونے پہ نازاں ہیں وہ پہلے توجہ کے مستحق ہیں۔ تو خدا را ٹھنڈے دل سے اس ”کام“ کا جائزہ لیجئے جو دین کے نام پر کیا گیا کہ اس میں کتنے فیصد مسلمانوں کو کافر ثابت کرنے کے لیے تھا اور کتنے فیصد کافروں کو مسلمان کرنے کے لیے تھا؟

ایک بندے کو آپ کہتے ہیں کہ تو مشرک ہے۔ وہ کہتا ہے نہیں الحمد للہ میں موحد ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور صفات کے تقاضوں میں وحدہ لا شریک مانتا ہوں۔ آپ کہتے کہ نہیں تیرا فلاں عمل شرکیہ ہے وہ اس کی وضاحت کر کے ثابت کرتا ہے کہ وہ عمل شرک پر مبنی نہیں ہے، جب آپ ساری کوشش ایک ایسے بندے کو مشرک ثابت کرنے پہ صرف کر رہے ہیں جسے شرک کے نام سے نفرت ہے۔ جو اللہ کی ذات پر کامل یقین رکھتا ہے۔ جس کی پیشانی سجدوں کے نور سے منور ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد کرتے ہوئے جس کی سانس پھول جاتی ہے اللہ ہو اللہ ہو کا وظیفہ پڑھتے جس کی گردن میں نبل پڑ جاتے ہیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس وقت اس دنیا میں کروڑوں انسان ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنے شرک پر نازاں ہیں جو توحید کے عقیدے کو تو ہم پرستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر ہماری ساری کوششیں مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے اور پھر ان کے خلاف ”جہاد“ کرنے میں کھپ جائیں گی تو خدا را! سوچئے۔ ان کروڑوں مشرکوں کو جو بتوں کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں ملحد ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں مذہب کو اہل مذہب کا ڈھونگ تصور کرتے ہیں۔ توحید کے نور سے کون آشنا کرے گا؟

مسئلے دہر میں تشریح طلب اور بھی تھے

ہم حدیث لب و رخسار سے آگے نہ گئے

کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اس ”استدلالی شرک“ میں وقت ضائع کرنے کی بجائے قطعی کفر پر اپنی توجہ مبذول کریں؟

آج کل آئین بالجہر رفع یدین اور مسئلہ تراویح پر ایسے زور و شور سے مباحث اور مناظروں کا زور ہے۔ جیسے یہ چیزیں کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے بھی زیادہ ضروری ہوں۔ علماء کی انہیں فقہی اور کلامی مباحث کے سبب قوم اصل دین کو بھول گئی۔ متاع کردار کھو بیٹھی۔ حقیقی دین کا تصور فراموش کر بیٹھی اور علماء ان مباحث میں الجھے رہیں جن کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال ہی نہیں کرے گا جن میں دونوں طرف قوی دلائل ہیں فرق قوی اور اقویٰ کا ہے تو اس صورت حال میں کیا علماء و خطباء کو اپنی ترجیحات کو بدلنا نہیں چاہیے۔ کہیں خدا نخواستہ قوم کے حقیقی دین سے نا آشنا ہونے کا الزام ان کی اس فکر اور سوچ پر تو نہیں آ رہا؟

قافلے برباد ہو کر رہ گئے تو کیا ہوا

مطمئن ہے قافلہ سالار اپنے کام سے

کیا تاریخی جھگڑے کریدنے سے عصر حاضر کے مسائل زیادہ اہم نہیں؟ کیا جن جھگڑوں کا فیصلہ چودہ سو سال میں نہیں ہو سکا اب ہو جائے گا۔ کیا ان جھگڑوں سے بہتر نہیں امت مسلمہ عصر حاضر کے مسائل کی فکر کرے۔ کیا ہم اپنی ترجیحات کو بدل نہیں سکتے؟ کیا ہم مفکر اسلام علامہ اقبال کی اس فکر کی روشنی میں اپنی ترجیحات کا لائحہ عمل طے نہیں کر سکتے۔

عہد نو میں تو پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

ترجیحات کا یہی فرق جس کے مطابق ہم چل رہے ہیں قوم کی بے عملی کا سب سے بڑا سبب ہے یہ اسی فکر کا شاخسانہ ہے کہ لوگ بعض ”ذوقی مستحبات“ سے فرض سے کہیں بڑھ کے اہم والا معاملہ کر رہے ہیں لیکن حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے اور فرائض و واجبات ترک کیے

ہوئے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال نے اسی فتنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

قوم کے ہاتھوں سے جاتا ہے متاع کردار

بحث میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات

انہوں نے قوم کی بے عملی کا سبب بھی نظری مسائل میں الجھنا ہی قرار دیا ہے۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا

مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

علامہ انور شاہ محدث کا شمیری کی نظر میں ان ترجیحات کا اثر

علامہ محمد انور شاہ محدث کا شمیری دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک مقتدر اور جید عالم دین

ہیں۔ تقویٰ و تدوین میں بھی ان کا ایک منفرد مقام ہے۔ ترجیحات کے فرق کے اس تناظر

میں ان کا یہ واقعہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جسے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بیان کیا

ہے۔ مفسر قرآن مفتی محمد شفیع صاحب کے الفاظ میں ہی واقعہ ملاحظہ ہو اس میں چھپا ہوا سبق

ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

”ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں۔ جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے میں

بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ

حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا

ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں

گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں۔ مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور

خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی!  
میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ  
دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش  
کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہماری ترجیح  
کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے۔ وہ مقام  
لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، یہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعی، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور دوسرے مسالک کے فقہاء کے  
مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم  
زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ”صواب محتمل الخطاء“ (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال  
موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو ”خطا محتمل الصواب“ (غلط مسلک جس  
کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام بحثوں،  
تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا:

ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور  
کون سا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی  
ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود  
ہے یہ خطاء ہی ہو۔ اور وہ خطاء ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر  
میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک، یدین حق تھا؟ آمین بالجبر حق تھی یا  
بالسرح حق تھی، برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں  
ہوگا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے۔

اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہ کو نہ مالک کو نہ احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے۔ جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلا یا ہے۔ جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گذریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا!

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔ یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے واغیاران کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور منکرات جن کے مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حلال و حرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں!

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر

دی۔ (1)

دین میں غیر ضروری معاملات کو عملی طور پر فرض و واجب کا درجہ دے کر ہم جس ڈگر پر چلے ہی نہیں بلکہ دوڑے جا رہے ہیں جس کے نتیجے میں فرض و واجب چیزوں کو غیر اہم اور غیر ضروری تصور کر لیا جاتا ہے۔ ہماری اس فکر سے دین کو جو مجموعی نقصان ہوا ہے اس کا تذکرہ آپ نے حضرت شاہ صاحب کے اس مبنی بر حقیقت تجزیہ میں ملاحظہ فرمایا۔ یہ تجزیہ ہر صاحب درد کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہماری ان خود ساختہ ترجیحات نے ملت اسلامیہ کو کتنا

شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس تجزیہ میں دو باتیں ہمارے لیے بہت ہی قابل توجہ ہیں۔ جن کی وجہ سے ہمیں اپنی ان ترجیحات کو بدلنا ہوگا۔

### (i) قیامت کی مسئولیت کے نقطہ نظر سے

ہر چیز کی اپنی ایک حیثیت ہوتی ہے لیکن انسان زندگی میں ہمیشہ اس چیز کو اہمیت دیتا ہے جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ انسان کی جملہ عبادات و ریاضات کا مقصد وحید اخروی کامیابی پانا ہوتا ہے دنیا کی کامیابی اللہ تعالیٰ اسے بطور انعام تو ضرور دیتا ہے لیکن مقصود بالذات نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ جن چیزوں میں ہم الجھتے رہتے ہیں کیا قیامت میں ان کے متعلق ہم سے باز پرس ہوگی؟ اللہ تعالیٰ یہ تو پوچھے گا کہ تم نے نماز پڑھی یا نہیں پڑھی لیکن ہاتھ کہاں باندھے تھے؟ آمین اونچی کہی تھی یا آہستہ اور رفع یدین کیا تھا یا نہیں۔ ان چیزوں کا سوال اللہ تعالیٰ نہیں کرے گا۔ اگر یہ چیزیں اتنی ہی اہم ہوتیں جتنی ہم انہیں عملی طور پر سمجھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قرآن کریم میں واضح لفظوں میں بیان فرما دیتا اور احادیث مبارکہ میں انہیں اتنا واضح بیان کر دیا جاتا کہ یہ چیزیں متنازعہ نہ رہتیں جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آخرت، ملائکہ اور عقیدہ رسالت کو بیان کیا گیا ہے کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اس چیز کی تیاری کریں اور ان اشیاء کو ترجیح دیں جن کا ہمیں بروز حشر جواب دینا ہے۔ اپنی قوم کو ان چیزوں کے لیے تیار کریں جن کا انہیں قیامت کو جواب دینا ہے۔ (قیامت میں کوئی بھی سوال علمی اور تاریخی نہیں ہوگا۔ جن بحث برائے بحث معاملات میں ہم اپنی زندگیاں کھپا دیتے ہیں) ان کا سوال نہیں ہوگا۔ قیامت کے سب سوالات عملی ہوں گے۔ عقائد قطعیہ کا حامل ہونا اور اعمال صالحہ کا پایا جانا قیامت میں سرخروئی کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں پوچھے گا کہ فلاں مزار پہ کیوں نہیں گئے تھے یا کیوں گئے تھے؟ فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کیا تھا یا کیوں نہیں کیا تھا؟ کھڑا ہو کے درود کیوں نہیں پڑھا تھا یا کیوں پڑھا تھا؟ الغرض جو مسائل آج دین کا تعارف بن چکے ہیں۔ قیامت کے دن ہم سے ان کا

سوال نہیں ہوگا۔ قیامت میں ہمیں جن سوالات کے جوابات دینے ہیں۔ ان کی ایک جھلک اس حدیث پاک میں ملاحظہ ہو۔

حضرت معاذ ابن جبل سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لن تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسئل عن اربع خصال عن عمره فيما افناه و عن شبابه فيما ابلاه و عن ماله من اين اكتسبه و فيما انفقہ و عن علمه ماذا عمل به رواه البزاز والطبرانی باسناد صحيح (1)

مفہوم یہ ہے کہ بندہ اس وقت تک بارگاہ الہی میں کھڑا رہے گا جب تک اس سے چار باتوں کے متعلق پوچھا نہیں جائے گا۔

اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگی کیسے بسر کی؟ اپنی جوانی کیسے گزاری؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اپنے علم پر کیسے عمل کیا تھا۔

یہ چیز ہم سب کے لیے قابل توجہ ہے کہ کیا ہم اپنی قوم کو ان سوالات کے جوابات میں کامیاب ہونے کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ یا ہم نے انہیں مسائل کو دین بنا کے پیش کیا ہے۔ جن کا انہیں قیامت کے دن جواب نہیں دینا۔ جس انسان پر قیامت کی جوابدہی کا یہ احساس چھا جائے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس اصل امتحان کی تیاری سے غافل ہو جائے اور غیر اہم معاملات و مسائل میں ہی الجھا رہے۔

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا  
نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تلف

(اقبال)

(ii) ان ترجیحات کے بھیا نک نتائج کا احساس

دوسری چیز جو ہمیں ان ترجیحات کو بدلنے پر مجبور کرتی ہے وہ اس کے وہ خوفناک اور بھیا نک نتائج ہیں جنہیں ہر صاحب نظر مجسم صورت میں دیکھ سکتا ہے۔



اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے کچھ اعمال بجالانے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک فکر ہے کہ انسان ہمہ جہت اللہ کے حضور جھک جاتا ہے۔ اس کی پوری زندگی خدائی اور آخرت رخی ہو جاتی ہے عبادت تو اس کا مظہر ہوتی ہیں۔ وہ دوکان میں بھی مسلم ہوتا ہے اور دفتر میں بھی۔ گھر میں بھی اور مسجد میں بھی۔ معاشرت میں بھی اور سیاست میں بھی۔ وہ راہب نہیں ہوتا دنیا کے سارے معاملات سرانجام دیتا ہے لیکن وہ جس بھی کام میں مشغول ہو زندگی کا جو بھی فریضہ سرانجام دے رہا ہو اس کا سر حکم الہی کے سامنے جھکا رہتا ہے۔ وہ اپنے مفادات، اپنی خواہشات اور اپنی ذوقیات پر بھی رضائے الہی کے حصول کو ترجیح دیتا ہے۔

لیکن جب غیر اہم چیزوں کو اہم بنا کر پیش کیا جانے لگے تو اس کے نتیجے میں اہم چیزیں خود بخود غیر اہم ہو جاتی ہیں۔ جب مستحبات کو عملی طور پر فرض کا درجہ دے دیا جائے تو فرائض خود بخود مستحبات کے درجہ پر چلے جاتے ہیں جب مکروہات کو حرام کے درجہ پر رکھ دیا جائے تو محرمات خود بخود مکروہات کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔

جب سے دین میں غیر اہم چیزیں اہم ہوئیں ہیں تو اس کا اثر عوام پر یہ ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے سے تو ضرور لڑتے ہیں جو نماز کے بعد اونچی آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہے۔ اور ورد کرنے والا نہ کرنے والے سے ضرور الجھتا ہے لیکن اسے کوئی کچھ نہیں کہتا جو نماز ہی نہیں پڑھتا۔ اور آخرت کی تیاری جس کی زندگی کے نصاب سے ہی خارج ہے۔ اس بندے پر تو بدعتی یا گستاخ ہونے کا فتویٰ ضرور لگتا ہے جو محافل میلاد مناتا ہے یا نہیں مناتا لیکن اسے کوئی کچھ نہیں کہتا جو سود کھاتا ہے فحاشی و عریانی کا پرچار کرتا ہے گیارہویں شریف کا ختم دلانے والے کو بدعتی اور مشرک ضرور کہا جاتا ہے نہ دلوانے والے کو گمراہ اور فاسق و فاجر کے فتوؤں سے نوازا جاتا ہے لیکن اسے کوئی بھی کچھ نہیں کہتا جو نماز کا تارک، سنت کا قاتل اور سود کھانے والا ہوتا ہے۔

غیر اہم چیزوں کو اہم قرار دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امت اپنے اصلی فرض منصبی سے غافل ہو گئی ہے۔ بے عملی اور دین سے رسی تعلق انہما کو پہنچ چکا ہے۔ ”ہر اس بندے تک خدا کا پیغام پہنچانا جس تک یہ پیغام نہیں پہنچا“ یہ اس امت کا مقصد وجود ہے لیکن یہ چیز ہماری

زندگی کے شیڈول سے ہی خارج ہے۔ ہمارا سارا زور ایک دوسرے کو کافر و مشرک اور غیر مسلم ثابت کرنے پر ہی خرچ ہو جاتا ہے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ جب کوئی حقیقی دین سے دور ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے ذوق کے مطابق ایک دین گھڑ لیتا ہے اور اپنی ساری دینی عقیدتیں وہاں ڈھیر کر دیتا ہے؟

کیا ہمیں اپنے معاشرے میں یہ حقیقت مجسم دکھائی نہیں دیتی۔ جو قوم مستحبات کے لیے لاکھوں روپے چندہ دے دیتی ہے وہ حقیقی دین کی نشر و اشاعت کے لئے وہ قربانی کیوں نہیں دیتی؟ کہیں اس کا سبب یہی تو نہیں کہ ہم نے دین کی نشر و اشاعت کا جو ڈھنگ اختیار کیا ہے اس میں ہماری ترجیحات غلط ہیں۔ جس کے نتیجہ میں غیر اہم چیزیں اہم ہو گئیں ہیں اور اہم چیزیں غیر اہم ہو گئیں ہیں جو لوگ ان باتوں پر جنگ و جدل کے معرکے برپا کر دیتے ہیں جو مستحب یا مکروہ تنزیہی کی نوعیت کے ہوتے ہیں وہاں ان کی جہیں پہ بل بھی نہیں آتا یہاں محرمات کا ارتکاب ہو رہا ہوتا ہے یا فرائض کو ترک کیا جا رہا ہوتا ہے۔

کیا یہ بھیا نگر اور روح فرسا صورت حال اس چیز کا تقاضا نہیں کرتی کہ ہم اپنی ان ترجیحات کو بدلیں۔

مارآستین کا فلسفہ

بات کو سنو اور ناتجنا مشکل ہوتا ہے بگاڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے بالخصوص جب یہ بگاڑ ”ارباب دانش“ کی طرف سے ہو۔

کیسے منزل پہ پہنچتا کوئی

راہ میں رہنما بیٹھے ہیں

جب لوگوں سے کہا جائے کہ یہود و نصاریٰ کے شر سے بچنے کے لیے اور برائی کے اس سیلاب سے قوم کو بچانے کے لئے آپس کے جنگ و جدل سے دامن بچا کر اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ تو وہ دوسرے فرقے کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی کافر ہے اور یہ دہریہ بھی کافر ہے لیکن دہریہ اور ملحد سے یہ کافر زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ اپنوں کے روپ

میں ہے اور یہ تو مار آستیں ہے بھلا مار آستیں سے اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اگر ہر فرقے کے فتویٰ کے مطابق دوسرا فرقہ کافر و مشرک ہی ہے تو پھر مسلمان کون ہوگا؟ اور وہ دین کس خطہ میں دیکھا جاسکتا ہے جس کو غالب کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس تناظر میں سید خورشید احمد گیلانیؒ نے بہت خوب صورت بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں۔

”دنیا امت محمدی کو مسلمان کے طور پر دیکھتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ایران کا شیعہ ہو، پاکستان کا سنی ہو، ہندوستان کا دیوبندی ہو اور سعودی عرب کا اہل حدیث ہو۔ دنیا کے نقشے اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ کوئی انہیں مشرک اور کافر، یہودی اور عیسائی ملک قرار نہیں دیتا۔ حج بیت اللہ مسلمان کرتے ہیں کوئی سکھ ہندو حج کو نہیں جاتا۔ قبلہ رخ نماز مسلمان پڑھتے ہیں کوئی یہودی اور بدھ نہیں پڑھتا۔ مگر ہم ہیں کہ ابھی ہمارے اندر کفر و اسلام کا معرکہ بچا ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر ہیں اور گمراہ، مرتد اور بدعتی، مشرک اور گستاخ رسول ہیں تو اس جزیرے کی ضرور نشاندہی کی جائے جہاں مسلمان بستے اور سانس لیتے ہیں“۔ (1)

کیا اس تناظر میں ہمیں اپنے اس طرز کلام پر غور کرنے ضرورت نہیں ہے؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ مار آستیں کا معنی لغت میں دوست نما دشمن ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو درحقیقت آپ کا دشمن ہے لیکن دوستی کے روپ میں ہے وہ مار آستیں کہلائے گا لغت میں مار آستین کا معنی ہے۔ ”آستیں کا سانپ، بیٹھی چھری، دوست نما دشمن“۔ (2) اس معنی کے تناظر میں مار آستیں کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ آپ اسلام کے لیے مخلص ہیں اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں لیکن ایک بندہ اسلام کے لیے مخلص نہیں ہے وہ اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے لیکن ہے مسلمان کے روپ میں۔ وہ مخلص مسلمان کے لیے مار آستیں ہوگا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے جو متعدد فرقے ہیں کیا وہ اسلام کے دشمن ہیں یا اسلام کو سمجھنے میں ان کے نقطہ ہائے نظر مختلف ہیں؟

یہ تو عین ممکن بلکہ امر واقع ہے کہ ایک مسلک دوسرے مسلک کا مخالف ہو اور اس کے خلاف کسی پروپیگنڈا میں مشغول ہو لیکن اسلام کا کوئی فرقہ یا مسلک اسلام کا مخالف نہیں ہے بلکہ سب اسلام کے لیے مخلص ہیں اور اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اسلام کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں یہ مسالک دین کے دشمن نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے خیال میں سب دین کے خدمت گذار ہیں البتہ ادراک حقیقت میں قاصر رہنے کے سبب الگ الگ راہوں پر چل نکلے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی منظر کو یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَإِنْ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٣١﴾ فَتَقَطُّوْا

أَمْرُهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلٌّ حِزْبٌ بِمَا لَدَيْهِمْ قَدْحُونِ ﴿٣٢﴾ (مومنون)

”اور بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھ سے ہی ڈرتے رہا کرو۔ پھر انہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر گروہ اسی پر خوش ہو بیٹھا جو اس کے ہاتھ آیا۔“

اگر ہر فرقہ دوسرے کو مارا آستیں ہی تصور کرتا رہے گا تو مخلص مسلمان دنیا کے کس خطے میں دیکھنے کو ملیں گے؟

کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک دوسرے کو مارا آستیں کہنے کی بجائے نقطہ نظر کا فرق اور دین کی تعبیر کا اختلاف سمجھ لیں شاید اس طرح نفرتوں اور عداوتوں کی آگ بجھ جائے اور افہام و تفہیم کی فضا قائم ہو جائے۔

اور یہ ”مارا آستیں“ کا فلسفہ تو سنت نبوی رسول ﷺ کے بھی مخالف ہوگا اور سب کے اکابرین کے بھی۔ جس وقت نبی کریم ﷺ نے یہود سے ”میثاق مدینہ“ کیا۔ وہ اس موقع کی نزاکت کو سمجھنے کا بہترین شہکار تھا۔ بیرونی طور پر اہل مکہ اور اندرونی طور پر منافقین اہل اسلام کے لیے خطرہ تھے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے یہود سے صلح و

آشتی سے رہنے کا ایک معاہدہ کیا اس میں آپ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ ٹھیک ہے مشرکین مکہ بھی ہمارے مخالف ہیں ہماری ان سے دشمنی ہے لیکن یہود سے معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو اہل مذہب ہو کر حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔ آپ نے ان چیزوں کو ان سے معاہدہ کے منافی نہ سمجھا چونکہ یہ ایک فیصد ہی سہی اہل کتاب ہونے کے ناطے کچھ تو اہل اسلام کے قریب تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اور قیامت تک لوگوں کے لیے ایک نمونہ قائم کرتے ہوئے یہ معاہدہ فرمایا۔ معاہدہ کا مطلب اپنے عقائد کو چھوڑ دینا نہیں ہوتا اور نہ ہی دوسرے کے عقائد کو تسلیم کرنا ہوتا ہے معاہدہ صرف نقطہ اشتراک پر اتحاد اور دوستی و دشمنی کی ترجیحات کا تعین کرنے کا نام ہوتا ہے۔

اس معاہدہ میں یہودی یہود رہے اور مسلمان مسلمان اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا

للیہود دینہم و للمسلمین دینہم (1)

”کہ یہود کے لیے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔“

لیکن مشترک دشمن یعنی مشرکین مکہ کا مقابلہ اکٹھے ہو کر کیا جائے۔ اس معاہدہ کی ایک شق یہ بھی تھی

و انه لا تجار قریش ولا من نصرھا و ان بینہم النصر

علی من دھم یشرب (2)

”کوئی بھی قریش یا اس کے حلیفوں کو پناہ نہیں دے گا اور اگر کوئی یشرب پر حملہ

کرے گا تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے۔“

تو سوال یہ ہے کہ جب قطعی اختلاف کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے یہود جیسے راندہ درگاہ لوگوں سے معاہدہ ہو سکتا ہے اور حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے صرف نقطہ اشتراک پر معاہدہ کرنا اور دشمنوں کی ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے نسبتاً چھوٹے دشمنوں

سے معاہدہ کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے تو پھر آج کل کے حالات میں عالم کفر سے بچنے کے لیے اور طاغوتی یلغار سے بچنے کے لیے مختلف مسالک جن میں بے شمار قطعی عقائد میں اتفاق ہے اپنے دیگر اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟ اس موقع پر ”مارآستیں“ کا فلسفہ بگھارنا کہیں سنت نبوی کی مخالفت تو نہیں؟ ماضی قریب میں اگر تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی یہی فلسفہ غالب آجاتا تو کیا وہ مقاصد حاصل ہو سکتے تھے جو ہوئے اور جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہوئی؟

جو بندہ آج اس پہ ڈٹا ہوا ہے کہ میں کسی بھی مخالف مسلک سے اتحاد نہیں کر سکتا اس سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اپنے ان بزرگوں اور اکابرین کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے جنہوں نے اس وقت مخالف مسلک سے اتحاد کر لیا تھا؟

حقائق حقائق ہوتے ہیں جب برصغیر کے مسلمانوں نے ایک اعلیٰ مقصد کے لیے اتحاد کیا تو وہ سب قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت پر متفق ہو گئے۔ کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ ان کا مسلک کیا ہے؟ وہاں صرف اسلام تھا اور جب پیر سید جماعت علی شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنی عظیم دینی و روحانی شخصیت کے حامل بلکہ لاکھوں کے دینی و روحانی مقتدا اور رہنما ہو کر داڑھی منڈے شخص (مراد تھے قائد اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پیچھے کیسے لگ گئے اور آپ نے اسے کیسے اپنا رہنما تسلیم کر لیا، تو آپ نے فرمایا بھائی میں نے محمد علی جناح کو اپنا دینی یا روحانی پیشوا نہیں مانا بلکہ صرف اپنے قومی مقدمے کے لیے ایک قابل و ماہر اور شریف و دیانتدار وکیل کے طور پر قبول کیا ہے۔ (1)

جب مقصد عظیم ہو اور منزل پانے کا جنون انسان پر سوار ہو تو پھر فکر کے دھارے بدل جاتے ہیں اور سوچوں کے رخ تبدیل ہو جاتے ہیں۔

پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب ترجیحات کا تعین کرنے میں سنگ میل کی

حیثیت رکھتا ہے کہ ہم نے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو ہمیں دوسرے مسالک سے نہ صرف اتحاد کرنا ہوگا بلکہ قیادت بھی ہم اس بندے کو دے سکتے ہیں جو اس قیادت کا زیادہ اہل ہے اگرچہ اس کا مسلک کوئی بھی ہو اور اس کے اسلامی احکامات کی پیروی کرنے میں بھی ہمارے بہت سے تحفظات ہوں کیونکہ مقصد کے حصول کا جنون ترجیحات کے زاویے بدل دیتا ہے۔

### یہود و نصاریٰ کی مثال

ملت اسلامیہ مختلف فرقوں اور مسالک میں بٹ کر جس طرح اسلام کے مجموعی وجود کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور ایک دوسرے سے اتحاد و اتفاق کرنے سے گریزاں ہے اتحاد و یگانگت کا سبق لینے کے لیے قرآن و سنت کے بے شمار دلائل کے علاوہ اور ماضی میں اتحاد کے ثمرات اور اس کی برکات کے علاوہ آج کل یہود و نصاریٰ کا اتحاد بھی بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔

یہود و نصاریٰ کی دشمنی دو ہزار سال پر محیط ہے نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکانے اور ان کی توہین کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی دو ہزار سال کی تاریخ جنگ و جدل پر محیط ہے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے درپے رہے۔ ان کے مذہبی اعتقادات میں جو بُعد ہے اسے سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ

لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ اِنْ (البقرہ: 113)

”یہود نے کہا کہ نصاریٰ کے پاس کوئی بنیاد نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کے پاس کوئی بنیاد نہیں۔“

یعنی دونوں نے ایک دوسرے کے مذہب کو بے بنیاد اور بناوٹی قرار دیا۔ لیکن آج دونوں گروہ جو کئی نسلوں پر محیط دشمنی کے حامل ہیں۔ ملت اسلامیہ کے خلاف یکجا ہو چکے ہیں۔ اگر یہود و نصاریٰ اہل اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی دو ہزار سالہ دشمنی کو فراموش

کر کے یک جان دو قالب ہو سکتے ہیں تو ملت اسلامیہ کفر، شرک اور طاغوت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے باہمی اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے یکجا کیوں نہیں ہو سکتے؟ یہود و نصاریٰ کے اس اتحاد کے تناظر میں محمد اشرف اودھی لکھتے ہیں۔

”۳۰ دسمبر ۱۹۹۳ء کو یروشلم میں اسرائیل کے نائب وزیر خارجہ یوسی بیلن اور پوپ پال کے نمائندے نے ایک تاریخی معاہدے پر دستخط کیے جس کے ساتھ عیسائیت اور یہودیت کی دو ہزار سالہ خونی، جنگجو یا نہ اور ہولناک معرکہ آرائیاں محبت، دوستی اور رفاقت کے ایک نئے سانچے میں ڈھل گئیں۔ یروشلم میں منعقدہ اس مختصر تقریب میں بظاہر دور یا ستوں اسرائیل اور ویٹکن کن (اٹلی میں عیسائی پوپ کا شہر) نے تحریری طور ایک دوسرے کو باقاعدہ تسلیم کیے جانے کا معاہدہ کیا لیکن دراصل یہ معاہدہ دوا زلی دشمن مذاہب یہودیت اور نصرانیت کے درمیان طے پایا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں امن کا ایسا منفرد معاہدہ آج تک نہ لکھا گیا نہ سنا گیا۔ اس فراخ دلی، کشادگی اور وسیع القسمی کی بنیادیں ہمیں تاریخ اور فلسفہ میں نہیں مل سکتیں۔ اس راز کو پانے کے لئے ہمیں روح عصر کے تقاضوں سے کامل آگاہ ہونا ضروری ہے۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ عیسائیت نے یہودیت کو معافی کا پروانہ عطا کیا جب کہ یہودیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کی اجتماعی طور پر مجرم ہیں (عیسائی نقطہ نظر کے مطابق ناقل) بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد یہودیت کا وجود بنی ہے کیونکہ عیسیٰ یہودیوں کی اصلاح ہی کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ان حالات میں یہ معاہدہ دو ہزار سالہ خون آشام واقعات اور روایات کی کامل نفی ہے۔ جس پر دونوں مذاہب کے پیروکار جتنا فخر کریں کم ہے۔“

یہ ایک حقیقت ہے کہ ملت یہود کی تاریخ عیسائیوں کے ہاتھوں فتنہ سامانیوں سے پر ہے جس میں قرون وسطیٰ میں یہودیوں کے مظالم، برطانیہ و اسپین سے بہیمانہ طریقے پر مکمل اخراج روس میں بالآخر ہتسمہ دے کر عیسائی بنایا جانا قتل عام کیا جانا تاریخ کا وہ حصہ ہیں جسے پاپائے اعظم کی پوری تائید اور سرپرستی حاصل رہی ہے۔ ویٹکن کن (اٹلی) کے پاپائے روم پوپ پال کے خلاف یہودیوں کے قتل عام میں اس وقت کے پاپائے پال دوازدہم Pious



xii کے مشورہ کا پورا دخل تھا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے موقع پر پاپائے روم نے کسی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا اور ۱۹۶۵ء میں ایک بار پھر پاپائے روم نے عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کا ذمہ دار یہود کو قرار دیا۔ (روزنامہ گارڈین لندن ۳۱ دسمبر ۹۳)

اپنی جوابی تقریر میں پاپائے روم کے نمائندہ کالڈیوکیلی نے کہا۔ ہمارے بنیادی اختلافات اگرچہ اپنی جگہ موجود ہیں جن میں بیت المقدس اور دیگر مقامات مقدسہ کے بارے میں ہمارا موقف واضح ہے تاہم ہم کوشش کریں گے کہ قدیم روایتی سامی النسل نفرت کو دور کریں۔“ (۱)

کیا یہ مقام ہم سب کیلئے باعث عبرت نہیں کہ اگر یہود و نصاریٰ دو ہزار سالہ دشمنی بھلا کر اختلافات کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے اتحاد کر سکتے ہیں جب کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے تہاشا توہین کے مرتکب ہوتے ہیں تو آخر امت مسلمہ اپنے باہمی اختلافات کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے کفر کے خلاف متحد کیوں نہیں ہو سکتی؟ اگر یہود و نصاریٰ ملت اسلامیہ کی تباہی کو مقصد بنا کر اپنی ترجیحات بدل سکتے ہیں تو ایک خدا ایک رسول ایک کعبہ اور ایک قرآن کو ماننے والی امت مسلمہ کفر اور طاغوتی یلغار کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنی ترجیحات کیوں نہیں بدل سکتی؟ کہیں ہماری اس روش کا انجام وہی نہ ہو جس کی طرف حضرت اقبال نے بہت پہلے اشارہ فرمایا تھا۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل

خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاکِ حجب

اس کا نتیجہ یہ نکلا

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ

جو سرا پا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز

لے رہا ہے مئے فروشان فرنگستان سے پارس

وہ مئے سرکش، حرارت جس کی ہے مینا گداز

۱۔ ماہنامہ ساحل کراچی (اپریل ۱۹۹۳ء) مضمون۔ عیسائیت اور یہودیت کا اتحاد بحوالہ امت مسلمہ عبرتناک حال

اور اب حالت یہ ہے کہ

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی  
 کلڑے کلڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز  
 ہو گیا مانند آپ ارزاں مسلمان کالہو  
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز (1)

یاد رہے کہ ان ترجیحات کا صحیح تعین صرف مذہبی نقطہ نظر سے ہی وحدت و یگانگت اور اتفاق و اتحاد کا امین نہیں ہے بلکہ سیاسی پہلو سے بھی ملت اسلامیہ کے اختلافات ختم کر کے انہیں ایک لڑی میں پروں سکتا ہے کیونکہ بجائے اس کے کہ آپ پہلے ایک فرد کو ملک کا دشمن اور ملت اسلامیہ کا غدار ثابت کرنے کے لیے دلائل تراشیں اور وہ یہی معاملہ آپ کے ساتھ کرنے میں لگا رہے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ اپنی صلاحیتیں اس کے خلاف صرف کی جائیں جس کے ملک دشمن ہونے میں کوئی شک نہیں جوڑ نکلے کی چوٹ پر اس ملک کے وجود کو ہی غلط کہتا ہے۔

جس گھر کو آگ لگ جائے تو گھر والے اس بحث میں نہیں الجھتے کہ آگ بجھانا کس کا فریضہ ہے؟ وہ اپنی گھریلو ناچاقیاں بھی ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور جس سے جو بنتا ہے جیسے اس کے لیے ممکن ہو آگ بجھانے کی کوشش کرتا ہے جسے پانی مل جائے وہ پانی پھینکتا ہے جسے پانی نہ ملے وہ مٹی پھینکتا رہتا ہے

آج ملت اسلامیہ کے دفاع کا سوال ہے اپنے جھگڑے ایک طرف رکھتے ہوئے اس آگ کو بجھانا ہے جو یہود و نصاریٰ نے بھڑکا رکھی ہے۔ باہی جھگڑوں سے دامن بچاتے ہوئے آج اس جھگڑے کا جواب دینا ہے جو اسلام کے دشمنوں نے کھڑا کر رکھا ہے۔ دوسروں کو پہلے کافر و مشرک ثابت کرنے کی بجائے ہمیں ان کافروں اور مشرکوں کا مقابلہ کرنا چاہیے جو اپنے کفر پر نازاں ہیں اور اسلام کو دہشت گرد دین ثابت کرنے پہ لگے ہوئے ہیں۔

یہ ہے دامن یہ ہے گریبان آؤ کوئی کام کریں موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

کرے یہ کافر ہندی بھی جرأت گفتار  
 اگر نہ ہو امراءِ عرب کی بے ادبی  
 یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو  
 وصالِ مصطفوی، افتراقِ بولہبی!  
 نہیں وجودِ حدود و مقوقد سے اس کا  
 محمد عربی سے ہے عالمِ عربی

(اقبال)

دوسروں کے اکابرین کا احترام کرنا

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا  
اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: 108)

”اور یہ لوگ اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہیں انہیں گالی نہ دو، ورنہ یہ لوگ حد سے  
گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔“

دا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں  
 چھپ کے بیٹھا ہوا ہنگامہ محشر یہاں  
 وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے  
 دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے  
 پاک رکھ اپنی زباں تلمیذِ رحمانی ہے تو  
 ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

(اقبالؒ)

محبت کے رشتے بڑے نازک ہوتے ہیں اور اگر محبت مذہبی نوعیت کی ہو تو نزاکت اور حساسیت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ عملی طور پر یہ تو ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایک کا محبوب سب کا ہی محبوب ہو۔ لیکن ہر محبت یہ ضرور چاہتا ہے کہ کوئی بھی اس کے محبوب کی تنقیص نہ کرے اور کوئی بھی اس کی توہین کا ارتکاب نہ کرے لیکن وہ اس ابدی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ اگر میں کسی کے محبوب اور مقتدا کی توہین کروں گا تو دراصل میں اپنے محبوب کی توہین کروانے کا دروازہ کھول رہا ہوں۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا  
کوئی تیرے ساتھ کرتا تجھے ناگوار ہوتا

انسانوں میں اختلاف رائے کا پایا جانا تعجب کا مقام ہے نہ افسوس کا۔ بلکہ اختلاف رائے ہونا تو صاحب الرائے ہونے کی دلیل ہے اور یہ فی نفسہ مقام مدح ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہوتا ہے کہ اختلاف کا اظہار رذیل اور گھٹیا طریقوں سے کیا جائے اچھے انسان جیسے دوستی میں حدوں سے تجاوز نہیں کرتے ویسے ہی دشمنی میں بھی حدوں سے آگے نہیں گزرتے۔ یعنی ان کی دوستی تو شائستگی کا نمونہ ہوتی ہی ہے ان کی دشمنی بھی شرافت اور سنجیدگی سے معمور ہوتی ہے۔ وہ اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ

تعلق توڑ دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں  
کسی کو چھوڑ دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں

ایک باوقار اور شریف انسان کی دشمنی بھی اس کی متانت اور شرافت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔  
قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے

دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اس وقت فتنہ و فساد اور اختلاف و انتشار کی جس آگ نے امت مسلمہ کو گھیر رکھا ہے اس کا ایک بڑا سبب ایک دوسرے کے اکابرین پر سب و شتم

طنز و استہزاء ہے؟ کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب علی الاعلان اپنے مخالف مسلک پر سب و شتم کیا گیا اور پھر جواب میں اتنا ہی بلکہ اس سے بھی پڑھ کر سب و شتم کا مظاہرہ کیا گیا تو فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی پورا ملک اختلاف و انتشار کے شعلوں میں گھر گیا اور دونوں طرف سے انتہائی قیمتی جانیں اسی فتنہ پروری کی نظر ہو گئیں لیکن

قافلے برباد ہو کر وہ گئے تو کیا ہوا

مطمئن ہے قافلہ سالار اپنے کام سے

ایک دوسرے پر سب و شتم کرتے اور کفر و شرک کا اعلان کرتے ہوئے ہم یہ بنیادی حقیقت کیوں فراموش کرتے ہیں کہ تقریر و تحریر کا مقصد بھٹکے ہوؤں کو ہدایت پہ لانا ہوتا ہے نہ کہ انہیں مزید دور کرنا۔ اگر ایک مسلک کے نزدیک دوسرا مسلک راہِ حق سے انحراف کرتا ہے تو اسے برا بھلا کہنے سے ظاہر ہے وہ آپ کا قائل نہیں ہو جائے گا بلکہ مزید دور ہوگا۔ تو اس ساری جدوجہد کا نتیجہ کیا نکلے گا کہ دوسرا فریق اور بھی آپ سے دور ہو جائے گا اور دوریاں مزید بڑھ جائیں گی۔

استاذ گرامی مرتبت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں اندھیرا پھیلا ہوا ہو تو اندھیرے کو برا بھلا کہنے اور سب و شتم کی بوچھاڑ کرنے سے اندھیرا ختم نہیں ہوگا۔ اندھیرے کو دور کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ وہاں شمع روشن کر دو۔ اندھیرا خود بخود ختم ہو جائے گا۔ یعنی کسی بھٹکے ہوئے انسان کو گمراہ اور کافر و مشرک کہہ دینے سے وہ راہِ راست پہ نہیں آجائے گا بلکہ اس کے شبہات کا جواب اتنے مدلل اور شائستہ طریقے سے دو کہ بھٹکا ہوا راہی صراطِ مستقیم پہ گامزن ہو جائے۔ ایک بھٹکا ہوا انسان تو آپ کی توجہ اور شفقتوں کا مستحق ہوتا ہے نفرتوں کا نہیں۔

بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات

سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

(غالب)

ایک دین کا راہبر جب اپنے مخالف مسلک کے ایسے اکابرین پر سب و شتم کی بوچھاڑ کر رہا ہوتا ہے جو لاکھوں لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز ہوتے ہیں تو اسے قرآن کریم کی یہ آیہ کریمہ کیوں یاد نہیں رہتی۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ  
 ”جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو خدا بنائے پھرتے ہیں انہیں گالی مت دینا کیونکہ  
 اس طرح وہ جہالت کی وجہ سے محض زیادتی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے  
 لگیں گے۔“ (انعام: 108)

تعجب ہے اس دین کا ماننے والا جو بتوں کی سب و شتم کرنے سے بھی روکتا ہے اپنے مخالف مسلک کے اکابرین کو گالی و گلوچ کیسے کرتا ہے؟ کیا اس آیہ طیبہ پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنی اس روش کو چھوڑ نہیں سکتے؟ اور یہ حکم حضور اکرم ﷺ کی وساطت سے ہر اہل ایمان کے لیے ہے اس آیہ طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

يقول الله تعالى 'ناهيا لرسوله صلى الله عليه وسلم  
 المؤمنين عن سب الهة المشركين و ان كان فيه  
 مصلحة الا انه يترتب عليه مفسدة اعظم منها وهي

مقابلة المشركين بسب الهة المؤمنين (1)

”اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ اور اہل ایمان کو مشرکین کے معبودوں کو سب و شتم کرنے سے منع فرما دیا ہے اگرچہ اس میں ایک مصلحت بھی ہے لیکن اس کا نقصان اس سے کہیں زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے جواب میں مشرکین اہل ایمان کے رب کو سب و شتم کریں گے۔“

کیا قرآن کریم کا یہ اصول ہماری رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے؟ امام قرطبیؒ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ یہ حکم امت میں قیامت تک باقی ہے (2)۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تو



فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ کسی کے باطل معبود کو برا بھلا نہ کہو بلکہ اگر کوئی تمہارے متعلق نازیبا حرکت کرے بھی تو اس کا جواب بھی سب و شتم کے انداز میں نہ دو کیونکہ جہالت کا جواب جہالت سے دینا عقلاء کا طریقہ نہیں ہے۔ آپ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”جب مشرکین نے کہا کہ آپ نے یہ قرآن لوگوں سے مذاکرہ کر کے اور دوسروں سے پڑھ کے سیکھا ہے۔ تو بعید نہیں تھا کہ بعض مسلمان کافروں کی یہ بات سن کر طیش میں آجاتے اور ان کا جواب دینے کے لئے ان کے معبودوں (بتوں) کو سب و شتم کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے منع فرمادیا۔

لانک متی شتمت الہتہم غضبوا فرما ذکر و اللہ تعالیٰ  
بما لا ینبغی من القول فلاجل الاحتراز عن هذا المحذور  
وجب الاحتراز عن هذا المقال و بالجملة فهو تنبیہ علی  
ان خصمک اذا شافہک بجهل و سفاهة لم یجزلک  
ان تقدم علی مشافہتہ بما یجری مجری کلامہ فان  
ذالک یوجب فتح باب المشاتمة و السفاهة و ذالک  
لا یلیق بالعقلاء (1)

”کیونکہ جب تو ان کے معبودوں کو سب و شتم کرے گا تو وہ غضبناک ہو جائیں گے عین ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارتکاب کریں پس اس ممنوع چیز (توہین باری تعالیٰ) سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایسی بات سے بچا جائے جو اس کا ذریعہ بنتی ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب تیرا دشمن تیرے ساتھ جہالت اور بیوقوفی سے پیش آئے تو تو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ نہ کر کیونکہ اس سے سب و شتم کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور یہ چیز عقل کو زیب نہیں دیتی۔“

کسی صوفی کا قول ہے

”اگر کوئی تیرے راستے میں کانٹے بچھائے تو تو اس کے راستہ میں کانٹے نہ بچھانا

ورنہ سب راستے کانٹوں سے بھر جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ تو اہل ایمان کو یہی حکم دیتا ہے کہ وہ برائی کا جواب بھی بھلائی سے دیں۔ یعنی اہل ایمان کا شیوہ یہ ہی نہیں کہ وہ خود کسی کو برا بھلا نہیں کہتے۔ کسی کے اکابرین برست و شتم تو بہت دور کی بات ہے وہ تو کسی کو بھی برائی سے یاد نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی انہیں برے لفظوں سے بھی یاد کرے تو وہ اسے اچھے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا

الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَنِیْمٌ ﴿ۛ﴾ (حم السجدہ)

”نیکی اور برائی برابر نہیں ہوا کرتیں۔ بہترین انداز سے بات کا جواب دو۔ تو جس شخص سے آپ کی دشمنی ہوگی وہی گویا گہرا دوست بن جائے گا۔“

جو دین اپنے ماننے والوں کو عام حالات میں نہ صرف برائی نہ کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس دین کے ماننے والوں کو یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ محض مسلکی اختلاف کے سبب دوسروں کے اکابرین اور ائمہ پر کچڑا چھالیں؟ عالم کفر کیا کہے گا کہ جب یہ سب ہی ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر ہیں تو ہمیں کس اسلام کی دعوت دے رہے ہیں؟

دوسروں کے اکابرین پر کچڑا چھالنا دراصل اپنے اکابرین پر کچڑا چھالنا ہے۔ ہمیں دوسروں کے اکابرین کی توہین کرتے ہوئے اس حدیث مبارک کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں

من الكبائر شتم الرجل و الدیہ قالوا یا رسول اللہ و هل

یشتم الرجل و الدیہ قال نعم یسب ابا الرجل فیسب

ابا و یسب امه فیسب امه۔ رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد (1)

”کسی آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کوئی آدمی اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایسے ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کسی کے باپ کو گالی دے اور وہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دے (تو گویا اس نے خود اپنے باپ کو گالی دی) اور ایک آدمی کسی کی ماں کو برا بھلا کہے اور وہ جواب میں اس کی ماں کو برا بھلا کہے (تو گویا اس نے خود اپنی ماں کو گالی دی)“

کیا حضور اکرم ﷺ کی ان خوب صورت اور دلگداز تعلیمات کی موجودگی میں کسی کو بھی زیب دیتا ہے کہ وہ کسی کے اکابرین پر کچھڑا چھالے اور ان کا ذکر تمسخر اور استہزاء سے کرے؟ ایسا کرنے والا تو دراصل اپنے اکابرین پر کچھڑا چھالنے کا راستہ ہموار کر رہا ہے۔ ماضی قریب میں بھی ہمیں اس کی بہت سی مثالیں نظر آتی ہیں کہ دوسروں کے اکابرین کی توہین کرنے کے جواب میں کس طرح انہیں اپنے اکابرین کی توہین سننا پڑی اور اختلاف و انتشار کی وہ آگ بھڑکی کہ جس کے شعلے خون کی ندیاں بہا کر بھی نہیں بجھے۔ ہمیں یہ حقیقت کبھی اور کسی حال میں فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جس طرح ہمیں اپنے اکابرین سے عقیدت ہے اسی طرح ہمارے مخالف مسلک کو بھی اپنے اکابرین سے عقیدت ہے اگر ہمارے نزدیک وہ گمراہ ہیں تو ان کا بھی ہمارے متعلق یہی خیال ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے اکابرین کی توہین نہ کرے تو ہمیں بھی کسی کے اکابرین کی توہین نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دنیا کا ضابطہ ہے کہ یہاں سلام کرنے والے کو سلام کیا جاتا ہے اور عزت کرنے والوں کی عزت کی جاتی ہے۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

کوئی تیرے ساتھ کرتا تجھے ناگوار ہوتا

## حسن ظن سے کام لینا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ  
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات: ۱۲)

”اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں۔“

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی  
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا

حسن ظن ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان کو کرنا کچھ نہیں پڑتا نہ کوئی بدنی مشقت اٹھانا پڑتی ہے اور نہ مالی قربانی دینا پڑتی ہے۔ صرف اپنی فکر کو مثبت سمت میں ڈھالنا ہوتا ہے اور وہ بغیر کوئی عمل کیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔

فرض کریں دو آدمی کسی مقام پر بیٹھے بات چیت میں مشغول ہیں ایک آدمی ان کے پاس سے گزرتا ہے۔ اگر وہ یہ سوچ لیتا ہے کہ دو دوست بیٹھے کسی اپنے مسئلہ میں بات چیت کر رہے ہوں گے تو اس نے حسن ظن سے کام لیا۔ اس نے کوئی مشقت نہیں اٹھائی کوئی قربانی نہیں دی لیکن صرف اسی حسن ظن کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ اور اگر وہاں سے گزرتے ہوئے وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ دونوں چور ہیں کہیں چوری کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہوں گے یا یہ ڈاکو ہیں کہیں ڈاکہ ڈالنے کے متعلق بات چیت کر رہے ہیں اور وہ اسی بات کو آگے پھیلا دے تو اسے کچھ مل نہیں گیا۔ اس کو کوئی مادی فائدہ نہیں ہوا۔ صرف اسی بدگمانی کی وجہ سے اس کے نامہ اعمال میں بدگمانی کا گناہ لکھ دیا جائے گا۔

اصل چیز حسن ظن ہے سوء ظن تو کسی دلیل کی وجہ سے کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر دونوں آدمی واقعی چور ہوں ان کی چوری مشہور و معروف ہو۔ تو اگر کوئی ان کے متعلق چوری کے مشورہ کرنے کا گمان کر بھی لے تو شاید باری تعالیٰ اسے معذور قرار دے کر معاف کر دے۔ لیکن بغیر کسی دلیل کے خواہ مخواہ بدگمانی کر لینا تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور بدگمانی کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ  
إِثْمٌ (الحجرات: 12)

”اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔“

اس کی تفسیر میں حاشیہ جلالین میں ہے۔

كثيرا من الظن ابهم الكثير اشارة الى انه ينبغي الاحتياط  
و التأمل في كل ظن خوف ان يقع في منهى عنه قال  
سفيان الثوري الظن ظنان احدهما اثم وهو ان يظن و  
يتكلم له و الا ليس باثم وهو ان يظن ولا يتكلم به (1)

”(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) بہت سے گمانوں سے بچو۔ یہاں کثیر کو مبہم رکھا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر گمان گناہ ہی ہوتے ہیں اس لیے انسان کو ہر گمان سے احتیاط کرنی چاہیے کہ کہیں وہ بدگمانی کا مرتکب نہ ہو جائے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سوء ظن کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم گناہ ہے وہ یہ ہے کہ بندہ گمان کرے اور اسے آگے بیان بھی کر دے اور دوسری قسم گناہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ بندہ بدگمانی تو کرے لیکن اسے آگے بیان نہ کرے۔“

مومن کی شان یہ ہے کہ وہ حسن ظن سے کام لیتا ہے سیدنا فاروق اعظم فرماتے ہیں۔  
ولا تظنن بكلمة خرجت من اخيك المومن الا خيرا و

انت تجد لها في الخير محملا (2)

”جو بھی بات تیرے مومن بھائی کے منہ سے نکلے تو اس کے متعلق اچھا گمان ہی کر۔ جب کہ تو اس کی کوئی بھی اچھی تاویل کر سکتا ہے۔“

مختلف مسالک اور فرقوں میں بڑھتی ہوئی خلیج کا سبب حسن ظن کا فقدان ہے۔ محض کسی کی نیت پر شک کرتے ہوئے ہم اس کی بات کے ایسے ایسے مفاہیم تراش لیتے ہیں جو منطک کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ اگر ہم حسن ظن کے حکم پر عمل پیرا ہوتے تو شاید جنگ و جدل کے وہ معرکے پانہ ہوتے جو کہ ہورہے ہیں اور تکفیر و تفسیق کا وہ مقابلہ نہ ہوتا جس میں امت کی ساری صلاحیتیں کھپ گئیں ہیں۔

میں اس کی ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔ ایک مسلک کے لوگ نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسرے مسلک کے لوگ اس کے مخالف ہیں عموماً ذکر کرنے والے نہ کرنے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ذکر کے دشمن ہیں اور اللہ کے ذکر سے منع کرتے ہیں۔ اور ذکر نہ کرنے والے کہتے ہیں کہ ذکر کرنے والے صرف لوگوں کی نمازیں خراب کرنے کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے متعلق بدگمانی تو نہیں؟

بھلا ایک مسلمان اللہ کے ذکر سے کیوں روکے گا؟ اور ایک مومن دوسروں کی نمازیں کیوں خراب کرے گا؟ اس اختلافی تناظر میں حسن ظن کا تقاضا یہ تھا کہ ذکر کرنے والے نہ کرنے والوں کے متعلق کہتے کہ وہ ذکر سے اس لیے منع کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے جب کہ ان کا یہ نقطہ نظر غلط ہے اور ہمارے پاس یہ یہ دلائل ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ان کا نقطہ نظر غلط ہے لیکن نیت ان کی بھی ٹھیک ہے۔ اور ذکر نہ کرنے والے کہتے کہ ذکر کرنے والوں کا ارادہ لوگوں کی نمازیں خراب کرنا نہیں ہے کرتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر سمجھ کے ہی ہیں لیکن چونکہ اس سے نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہے اس لیے یہ عمل درست نہیں ہے اور ہمارے پاس ان کے اس عمل کے غلط ہونے کے یہ یہ دلائل ہیں یعنی اگرچہ ہمارے نزدیک اس سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہے لیکن پڑھنے والوں کی نیت لوگوں کی نمازیں خراب کرنا نہیں بلکہ اللہ کا ذکر کرنا ہی ہے اور اگرچہ نتیجہ اس کا درست نہیں لیکن نیت ان کی بھی درست ہے۔

اگر ملت اسلامیہ حسن ظن کی اس کیفیت سے واقف ہوتی تو اگرچہ اختلاف ضرور رہتے لیکن ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے نہ لگتے۔

اسی طرح ایک مسلک اذان کے ساتھ درود و سلام پڑھتا ہے اور دوسرا نہیں پڑھتا اگر بات یہیں تک رہتی تو کوئی بات نہیں تھی کیونکہ نہ پڑھنا فرض ہے اور نہ نہ پڑھنا کفر ہے بات اس وقت بگڑتی ہے جب ایک دوسرے پر سوء ظن کر کے ان کی نیتوں پر حملہ کیا جاتا ہے اور پڑھنے والے نہ پڑھنے والوں کو کہتے ہیں کہ یہ درود کے منکر ہیں اور نہ پڑھنے والے پڑھنے



والوں پر بدعتی اور مشرک ہونے کے فتوے لگاتے ہیں کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے متعلق حسن ظن سے کام لیتے اور نہ پڑھنے والے نہ پڑھنے والوں کے متعلق یہ کہتے کہ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ عمل درست نہیں ہے لیکن یہ لوگ پڑھتے درود سلام کی محبت کی وجہ سے ہی ہیں اور پڑھنے والے نہ پڑھنے والوں کے متعلق کہتے کہ مطلق درود و سلام سے انہیں بھی بغض نہیں ہے کیونکہ کوئی کلمہ گو بھلا ایک واضح آیت کا انکار کیسے کر سکتا ہے لیکن اس خاص موقع پر یہ عمل چونکہ ان کے نزدیک خلاف سنت ہے۔ لہذا یہ اس موقع پر نہیں پڑھتے۔ اس مثبت انداز فکر کے سبب اختلافات اپنی اپنی جگہ پر ضرور رہتے لیکن کفر و شرک کے فتوؤں کی بوچھاڑ کرنے کی بجائے امت مسلمہ کی صلاحیتیں یہود نصاریٰ اور الحاد کے خلاف صرف ہوتیں۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر میلاد نہ منانے والے منانے والوں کو بدعتی کہنے کی بجائے یہ کہتے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی محبت میں ایسا کر رہے ہیں اور منانے والے نہ منانے والوں کو گستاخ اور مرتد کہنے کی بجائے یہ کہتے کہ ان کے نزدیک یہ عمل چونکہ دین میں ایک نئی بات ہے اس لیے یہ نہیں مناتے یعنی اگر حسن ظن رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنے کی بجائے اختلاف کو دلیل کا اختلاف کہہ کر عمل کیا جاتا تو یقیناً امت میں فتنہ و فساد کی وہ آگ نہ بھڑکتی جواب بھڑکی ہوئی ہے اور امت کی صلاحیتیں طاغوت اور باطل کے خلاف استعمال ہوتیں۔

نہ بیس تراویح پڑھنے والے آٹھ پڑھنے والوں کو اس وجہ سے گمراہ کہتے اور نہ آٹھ پڑھنے بیس والوں کو سنت کے تارک قرار دیتے بلکہ دونوں کا موقف یہ ہوتا کہ دلائل تو ہمارے قوی ہیں لیکن دوسرا فریق بھی اپنے خیال میں سنت پر ہی عمل کر رہا ہے۔

**حسن ظن سنت نبوی کی روشنی میں**

مسلمانوں کا ہر فرقہ مدعی ہے کہ وہ ہی نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کر رہا ہے لیکن نہ جانے حسن ظن والی سنت پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔ حضرت جناب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک فوج مشرکین سے جہاد کے لیے روانہ فرمائی۔ مسلمانوں اور مشرکین کا مقابلہ ہوا ایک مشرک اتحاد لیر تھا کہ جس مسلمان کو شہید کرنا چاہتا کر دیتا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس کی گھات میں تھے جس وقت وہ ان کی تلوار کے زد میں آیا تو اس نے کلمہ پڑھتے ہوئے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لیکن اس کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس قتل کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری پہنچی تو بتانے والے اس شخص کے قتل کیسے جانے کا واقعہ بھی بیان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا۔ حضرت اسامہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا اور چند صحابہ کا نام لے کر بتایا کہ فلاں فلاں کو اس نے شہید کیا ہے۔ میں نے اس پر حملہ کیا لیکن جب اس نے تلوار دیکھی تو فوراً کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

أَقْبَلْتُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَغْفِرُ لِي قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بَلَا إِلَهَ

إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ فَجَعَلَ لَا يَزِيدُهُ عَلَىٰ أَنْ

يَقُولُ كَيْفَ تَصْنَعُ بَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (1)

”کیا تم نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کے دن لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کلمہ آئے گا تو تم اس

کا کیا جواب دو گے؟ حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے استغفار

کیجئے۔ آپ نے پھر فرمایا جب قیامت کے دن لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کلمہ آئے گا تو تم

اس کا کیا جواب دو گے۔ رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے کہ

جب قیامت کے دن لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔“

ایک اور حدیث پاک کے الفاظ میں کہ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا

أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتْلَهُ قَالَ قُلْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَالَهَا

خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ قَالَ أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ

لَا فَمَا زَالَ يَكُرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمْنَيْتَ إِنِّي اسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ (1)

”کیا اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اس شخص کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا۔ جس سے تمہیں پتا چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں اسی وقت اسلام لایا ہوتا (یعنی میں اس شخص کے قتل سے بچ جاتا)۔“

کیا یہ حدیث پاک ہمارے لیے مشعل راہ نہیں؟ کیا ہم عملی زندگی میں اس پر عمل پیرا ہو رہے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر ہم نے اس حدیث پاک کی روشنی میں اپنے افکار کو ڈھالا ہوتا تو نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنے والے نہ کرنے والوں کو ذکر کا منکر نہ کہتے اور نہ ہی نہ کرنے والے کرنے والوں کو نمازیں خراب کرنے والے کہتے۔ نہ بیس تراویح پڑھنے والے آٹھ پڑھنے والوں پر برستے نہ آٹھ والے بیس والوں پر گر جتے نہ علم غیب کے نہ ماننے والے ماننے والوں کو مشرک کہتے نہ ماننے والے نہ ماننے والوں کو گستاخ و مرتد کہتے۔

اختلافات ضرور رہتے لیکن ایک دوسرے پر الزامات کی بارش نہ ہوتی ہر اختلاف صرف دلیل کا اختلاف ہوتا اور دوسرے کی نیت پر حملہ نہ ہوتا۔ بلکہ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کیا جاتا۔ اس تناظر میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا بیان کردہ یہ واقعہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

”اب سے کوئی ۶۵ سال پہلے کا واقعہ ہے یا اس سے بھی زیادہ ۷۶ سال پہلے کا۔ میں

پرائمری سکول میں تھا۔ ایک دن ہمارے ہیڈ ماسٹر کلاس میں آئے اور معلوم نہیں کس بنا پر ایک سے پوچھنے لگے، تمہارا نام کیا ہے؟ طلباء میں ہندو بھی تھے اور کچھ مسلمان بھی مسلمانوں سے پوچھا تم کس فرقے سے ہو؟ ان میں شیعہ بھی تھے اور سنی بھی تھے اس وقت انہوں نے ایک جملہ کہا جو آج تک میرے دل پر نقش ہے۔ میں اسے بھول نہیں سکا۔ انہوں نے کہا بچو! اس پر کبھی نہ جھگڑنا شیعہ اور سنی بھائی بھائی ہیں۔ دونوں مسلمان ہیں۔ اصل میں ان میں جو فرق ہے وہ ایک مصلحت ہے۔ اللہ میاں کو اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ کی ذات سے اس قدر محبت تھی کہ اس نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر ہر سنت کو قیامت تک محفوظ رکھے لہذا اس کی ایک سنت پر یہ لوگ عمل کر رہے ہوں اور دوسری سنت پر وہ لوگ۔ لیکن دونوں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ہی عمل کر رہے ہیں۔ (1)

یاد رہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ اس وقت سنایا تھا جب ان سے نماز کے مختلف طریقوں کے متعلق پوچھا گیا تھا سوال یہ تھا۔ نماز کے طریقے پر تحقیق کیا ہے؟ کون سا طریقہ نماز درست ہے؟ مختلف فرقوں مثلاً شیعہ یا سنی طریقوں میں فرق کیوں ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بھی بیان کیا تھا ممکن ہے ڈاکٹر صاحب کے اس جواب کو مکمل طور پر تسلیم کرنے میں کسی کے کچھ تحفظات ہوں لیکن اس میں جو فکر ہے وہ بڑی دور رس ہے اور حسن ظن کی بہترین مثالوں میں سے ہے کیا ہم رفع یدین آئین بالجہر وغیرہ مسائل میں یہ مثبت فکر اپنا کر جنگ و جدل کے معرکے برپا کرنے سے بچ نہیں سکتے؟ اور کافر و مشرک اور بدعتی کے فتوؤں میں اس فکر کو اپنانے سے کچھ کمی نہیں آسکتی ہے؟ اگر آسکتی ہے تو ہمیں اس فکر کو ضرور فروغ دینا چاہیے۔

اس تناظر میں حسن ظن کا بہترین نمونہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے معتزلہ کے متعلق لکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے معتزلہ کے رد میں اپنا پورا فکر و فلسفہ صرف کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی پوری زندگی معتزلہ کے رد میں ہی

گزری ہے تو شاید بے جا نہیں ہوگا۔ ان کی شہرہ آفاق تفسیر مفتاح الغیب المعروف تفسیر کبیر اس بات کا بین ثبوت ہے۔ لیکن انہوں نے بھی معتزلہ کی نیت کے متعلق شک نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ بھی اپنے خیال میں تقدیس و تنزیہ ہی بیان کرتے رہے اور ہم میں بھی فرق صرف دلیل کا تھا۔ آپ شیخ سلیمان بن ناصر کا فرمان درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سمعت الشيخ الامام الوالد ضياء الدين عمر بن الحسين  
رحمه الله قال سمعت الشيخ ابا القاسم سليمان بن ناصر  
الانصارى ما يقول: نظر اهل السنة على تعظيم الله تعالى  
في جانب القدرة و نفاذ المشيئة و نظر المعتزلة على  
تعظيم الله تعالى في جانب العدل و البراءة عن فعل مالا  
ينبغي فاذا تأملت علمت ان احدا لم يصف الله الا  
بالتعظيم و الاجلال و التقديس و التنزيه ولكن منهم من  
اخطأ و منهم من اجاب و رجاء الكل متعلق بهذه الكلمة  
وهي قوله تعالى و ربك الغنى ذو الرحمة (1)

”میں نے اپنے والد شیخ امام ضیاء الدین عمر بن حسین رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو القاسم بن سلیمان ناصر انصاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل سنت نے قدرت اور نفاذ مشیت کے پہلو سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اور معتزلہ نے عدل و انصاف کے پہلو سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو ملحوظ خاطر رکھا اور جب تو غور کرے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اجلال، تقدیس اور تنزیہ کو ہی بیان کیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک گروہ خطا پر ہے اور دوسرے نے حقیقت کو پایا ہے اور سب کی امید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے وابستہ ہے۔ اور تیرا رب غنی رحمت فرمانے والا ہے۔“

معتزلہ اور اہل سنت کے اختلاف کتنے شدید اور سخت ہیں۔ اس کا اندازہ ہر اس انسان کو ہے جو ان اختلافات سے ذرا بھی آگاہ ہے اور امام رازی رحمہ اللہ نے معتزلہ کی تردید کتنے شدومد سے کی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں لیکن اس کے باوجود امام رازی معتزلہ کی نیت پر شک نہیں کرتے۔ اور ایک خیر کا پہلو ڈھونڈ کے معتزلہ کی غلطی کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس مثبت فکر کو اپنانے سے اور حسن ظن کا ایسا مظاہرہ کرنے سے اختلاف اپنی جگہ پر رہتے ہیں۔ علمی مذاکرات بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن جنگ و جدل کے معرکے پیا نہیں ہوتے اور امت مسلمہ ایک دوسرے کے گلے نہیں کاٹتی۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلک دوسرے مسلک کے خیر کے پہلو کو ترجیح دے اور اس سے اختلافی مسائل کو افراط و تفریط قرار دے کے انہیں معذور جان لے۔

کبھی ہم نے اس بات پر غور کیا کہ بھلا جو بندہ مسلمان ہے، اپنی فلاح اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے میں خیال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعلان کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی غلامی پہ نازاں ہے اور آپ کی شفاعت کا امیدوار ہے بھلا وہ شرک کیسے کر سکتا ہے؟ حضور ﷺ کی توہین کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟ اور کسی بھی بدعت کو جان بوجھ کر کیسے اپنا سکتا ہے؟

کیا یہ ممکن نہیں ہے ہم ان کی غلطی کو غلطی سمجھیں، اختلاف کو اختلاف رکھیں لیکن حسن ظن سے کام لیں کہ اس بندے نے فلاں کی محبت میں اعتدال سے کام نہیں لیا جس کی وجہ سے اس کا فلاں عقیدہ باطل ہے لیکن اس کی نیت پر شبہ نہ کریں اس طرح اختلاف ضرور رہے گا لیکن وہ اختلاف دلیل کا اختلاف ہوگا لڑائی جھگڑے کا نہیں۔ پس دوسرے کی دلیل کو غلط مانا جائے گا۔ اسے معذور جانتے ہوئے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

جن مسائل پر آج مناظرے ہوتے ہیں اور قوم بجا طور پر یہ سمجھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ اسلام بس یہی ہے کہ آمین بالجبر پڑھنے والوں یا نہ پڑھنے والوں کو شکست دے کر انہیں بدعتی اور خارج از اسلام قرار دے دیا جائے یہ مسائل ائمہ اربعہ میں بھی مختلف فیہ تھے۔ ان کے

پیر و کاروں میں ان مسائل پر مباحث بھی ہوتی تھیں لیکن ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں یہ اختلاف دلیل کی حد تک تھا اور وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور تاریخ میں اس کے بڑے خوبصورت منظر محفوظ ہیں۔

”علامہ قتال شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابو عاصم حنفی رحمہ اللہ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو مؤذن سے فرمانے لگے آج اذان ترجیع کے بغیر حنفی طریقہ کے مطابق دی جائے اذان کے بعد علامہ قتال شافعی نے ابو عاصم حنفی سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ تو ابو عاصم حنفی نے رفع یدین کے ساتھ شافعی طریقہ سے نماز پڑھائی“ (1)

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام شافعی جب بغداد میں فروکش تھے۔ فرمایا کہ میں امام ابو حنیفہ سے برکت لیتا ہوں۔ اور ان کی قبر مبارک کی زیارت کرتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس جاتا ہوں۔ خداوند عالم سے وہاں سوال کرتا ہوں تو فوراً حاجت روائی ہو جاتی ہے۔ منہاج نبوی کے حاشیہ پر بعض متکلمین نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی نے صبح کی نماز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قبر کے پاس پڑھی جس میں دعائے قنوت کو ترک کیا۔ کسی نے سبب پوچھا۔ تو فرمایا اس قبر والے کے ادب سے (میں نے دعائے قنوت کو ترک کر دیا ہے)۔“ (2)

میں اس بحث کو عظیم دانشور اشفاق احمد مرحوم کے اس دلچسپ قول پر ختم کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ وہ اپنے پروگرام زاویہ میں فرمانے لگے کہ ہمارے گاؤں میں ایک بوڑھی رہتی تھی۔ اور وہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو نکال کر اس کی تعریف ہی کیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں از میرے بھائی نے ایک منصوبہ بنایا اور اس سے ایک ایسا سوال پوچھنے کا ارادہ کیا

جس میں وہ کسی کی تعریف نہیں کر سکتی تھی؟ ہم نے اسے جا کر کہا کہ خالہ! یہ شیطان کے متعلق کیا خیال ہے؟ ہمارا خیال یہ تھا کہ شیطان تو مہر سراپا شر ہے۔ بھلا اس میں خیر کا پہلو کیسے نکلے گا۔ لیکن ہمارا سوال سننے ہی وہ کہنی لگیں کہ بیٹا! بڑا مستقل مزاج اور محنتی ہے جس کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ اشفاق صاحب کہتے ہیں کہ ہم یہ جواب سن کر خاموشی سے واپس آ گئے۔

حسن ظن ایک ایسی عبادت ہے جس میں کوئی مشقت نہیں کرنا پڑتی کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مسلکی اختلافات کو حسن ظن کے تناظر میں لے لیں۔ دوسرے کو بے شک غلط سمجھیں لیکن اس کی نیت پہ شرک، کفر، بدعت کی تہمت نہ لگائیں۔ اختلاف دلیل کی حد تک رہے زیادہ سے زیادہ دوسرے کو معذور جان لیں۔ اگر ہم اس روش پر چل نکلیں تو اختلاف ضرور رہیں گے لیکن نہ صرف یہ کہ جنگ و جدل کے معرکے پانہیں ہوں گے بلکہ احترام باہمی کی ایک فضا قائم ہوگی۔ اور امت مسلمہ کی صلاحیتیں ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ طاغوت کے خلاف اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے استعمال ہوں گی اور

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آمینہ پوش  
اور ظلمت رات کی سیما پا ہو جائے گی  
آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک  
باد گل کی، ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

(اقبال)



اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر  
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار  
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں  
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی!

(اقبال)

کلمہ گو کو کافر و مشرک کہنے سے احتراز کرنا

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَرُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ  
بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ  
يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ (المحجرات: ۱۱)

”اور آپس میں ایک دوسرے پر الزام نہ لگایا کرو۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کیا کرو۔ ایمان کے بعد برا نام رکھنا بہت بری بات ہے اور جو توبہ نہیں کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے      مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی  
 جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں      کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی  
 کئی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تیری  
 سحر قریب ہے، اللہ کا نام لے ساقی

(اقبال)

امت مسلمہ میں اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں ایک بہت بڑا حصہ ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوؤں کا بھی ہے۔ ایمان ایک بندہ مومن کی سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے جب کسی نے اسے کافر و شرک کہا تو ظاہر ہے وہ بھی جواب میں ایسا ہی رویہ استعمال کرے گا۔ اور نتیجہ وہی نکلے گا کہ ہر فرقہ دوسرے کو کفر و شرک سے مطعون کرے گا اور غیر مسلم خواہش کریں گے کہ ہمیں دنیا کا وہ خطہ دکھاؤ جس میں ایسے لوگ بستے ہوں جنہیں سب مسلمان کہتے ہوں لیکن ان کی یہ حسرت حسرت ہی رہے گی۔

ویسے تضاد بیانی کا منظر بھی قابل دید ہے کہ ایک طرف ہر مسلمان فخر یہ کہتا ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک ارب پچاس کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ ہم اس کثرت پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں اور ہر مسلمان اس پر حمد الہی بجالاتا ہے۔ لیکن اگر ہر مسلک دوسرے کو مسلمان ہی نہ سمجھے تو یہ ڈیڑھ ارب سے زائد گنتی کیسے پوری ہوگی؟ کیا کوئی ایسا فرقہ اور مسلک ہے جو باقی سب کو کافر و شرک قرار دے کے خود ڈیڑھ ارب سے زائد ہو جائے؟

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی کو کافر قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر جسے کہا جائے وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے اور پچھلے باب میں گذر چکا ہے کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کافر پر حملہ کیا جو بہت سے مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا تو اس نے کلمہ پڑھا تو موقع ایسا تھا اور ظاہری قرآن یہی بتاتے تھے کہ یہ صرف جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ جب آپ نے اسے قتل کر دیا تو حضور اکرم ﷺ انہیں بار بار یہی فرماتے رہے کہ اسامہ! تو قیامت کے دن اس کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کیا جواب دے گا۔ جب آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ اس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ دل سے کلمہ پڑھ رہا ہے یا صرف زبان سے۔

اس روش پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے تھوڑی

ہے کہ امت مسلمہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو کفر و شرک سے مطعون کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی بندہ کسی بزرگ کے مزار پر حاضری دیتا ہے تو اس کو مشرک قرار دیا جاتا ہے۔ اور مذاہرات کی حاضری کے قائلین اپنے مخالفین کو مرتد قرار دے دیتے ہیں اگر گیارہویں شریف دلانے کو شرک اور نہ دلانے کو ارتداد کہا جانے لگے تو خود ہی سوچئے اسلام کہاں رہ جائے گا؟

اسلام میں کسی کلمہ گو کو جو ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو کافر و مشرک کہنا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے ان فرامین مقدسہ سے لگائیں  
حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا  
ایما امری ء قال لایخیہ یا کافر فقد بآء بہا احدہما ان

کان کما قال والا رجعت علیہ (1)

”جس شخص نے اپنے کسی (دینی) بھائی سے کہا: اے کافر تو کفر دونوں میں سے ایک کی طرف ضرور لوٹے گا۔ اگر وہ شخص واقعی کافر ہو گیا تھا تو ٹھیک ورنہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
من دعا رجلا بالكفر او قال عدو اللہ ولیس کذا لک

الا عاد علیہ (2)

”جس نے کسی شخص کو کافر یا دشمن خدا کہہ کر پکارا حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کفر اس کی طرف لوٹ آئے گا۔“

محدثین کے نزدیک اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے مسلمان کو کافر سمجھتے ہوئے کافر کہا تو وہ خود کافر ہو جائے گا اور اگر بطور سب شتم کسی کو مسلمان سمجھتے ہوئے کافر کہا تو گناہ کبیر

1۔ صحیح مسلم۔ کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لایخیہ المسلم یا کافر رقم الحدیث ۱۲۴

2۔ نفس مصدر۔ رقم الحدیث ۱۲۵

کا مرتکب ہوگا، شارح مسلم امام مکی بن شرف نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

انه محمول على المستحل لذلک و هذا یکفر الوجه

الثانی معناه رجعت علیه نقیفہ لآخیه و معصیة تکفیرة

الوجه الخامس معناه قد رجع علیه تکفیره فلیس الراجع

علیه حقیقة الکفر بل التکفیر لکونه جعل المومن کافرا (1)

مفہوم یہ ہے ”اگر کوئی کسی مسلمان کو کافر سمجھتے ہوئے کافر کہے گا تو وہ خود کافر ہو جائے گا۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا اس گناہ کی شامت کے سبب آخر کار خود کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کسی کو مومن سمجھتے ہوئے کافر کہا تو پھر اس کے کافر ہونے سے مراد حقیقی کفر نہیں ہوگا (بلکہ مجازی کفر ہوگا یعنی گناہ کبیر)۔“

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثلاث من اصل الايمان الكف عن من قال لا اله الا الله

ولا تكفره بذنوب ولا تخرجه من الاسلام بعمل والجهاد

ماض منذ بعثنى الله الى ان يقاتل آخر امتي الدجال ولا

يظنه جور جائر ولا عدل عادل و الايمان بالاقدار (2)

”تین چیزیں ایمان کی اصل ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جو بھی شخص لا اله الا الله الخ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روکا جائے نہ کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر کہا جائے نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے نکالا جائے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جہاد اس وقت سے جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا اور ہمیشہ جاری رہے گا یہاں تک کی میری امت کا آخری گروہ دجال سے جہاد کرے گا اسے کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل روک نہیں سکتا۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ تقدیر پر

ایمان رکھا جائے۔“

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں

ولا نکفر مسلما بذنب من الذنوب و ان کانت کبیرة

ولا نزیل عنه اسم الایمان (1)

”ہم کسی بھی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی ہو۔

اور اس سے ایمان کا نام زائل نہیں کرتے۔“

ایمان اور اسلام کے متعلق وہ نازک اور دقیق مسائل جو علم الکلام کی کتب میں موجود ہیں انہیں یہاں چھیڑنا مقصود نہیں ہے میں دین کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں وہ مسائل میری دسترس سے بھی باہر ہیں اور یہاں ان پر بحث کرنا مفید و بد بھی نہیں ہے۔ میں یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن و سنت میں ذکر کی گئی اس وعید کے سبب جو کسی مسلمان کو کافر کہنے کی وجہ سے ہے اکابرین امت نے ہمیشہ اس معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور جب تک کوئی بندہ ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اسے کافر نہیں کہا۔ آج کل کسی کو کافر و مشرک کہنا جتنا آسان سمجھا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے سبب اکابرین امت ہمیشہ اس سے اتنی ہی احتیاط کرتے آئے ہیں۔

ملا علی قاری اس تناظر میں ابن ہمام کا موقف درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جان لو کہ ہم نے جو اہل ابواء پر کفر کا حکم لگایا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مبتدعین اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ سو اس تکفیر کا محل یہ ہے کی فی نفسہ معتقدات کفر ہیں۔ جو ان باتوں کا قائل ہوگا وہ کفر کا مرتکب ہوگا۔ اگرچہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس قول کے قائل نے حتی الامکان اجتہاد کر کے یہ قول اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کی اقتداء میں نماز کے باطل ہونے کا قول کرنا اس تطبیق کے مطابق نہیں ہے البتہ ان کی اقتداء میں نماز کے بطلان کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ ان کی اقتداء نہیں کرنی

چاہیے۔ اور یہ چیز صحت نماز کی منافی نہیں ہے۔ اور اگر یہ توجیح نہ کی جائے تو پھر اہل قبلہ کی عدم تکفیر کے قاعدہ سے یقیناً اشکال پیدا ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اہل بدعت کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا قول احتیاطاً ہو یہ ان کے کفر کو مستلزم نہیں ہے۔ (1) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور فرمان ہے کہ ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

وفی المنتقى عن ابی حنیفة رحمہ اللہ لم نکفر احدا من  
اہل القبلة و علیہ اکثر الفقہاء الخ (2)

”اور منتقی میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔“

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل قبلہ سے کیا مراد ہے۔ اس کے جواب ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

واعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من  
ضروریات الدین كحدوث العالم و حشر الاجساد و علم  
اللہ بالکلیات و الجزئیات و ما اشبه ذالک من المسائل  
فمن و اظب طول عمره على الطاعات و العبادات مع  
اعتقاد قدم العالم او نفی الشرا و نفی علمه سبحانه و  
تعالیٰ لا یكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تکفیر احد  
من اهل القبلة عن اهل السنة أنه لا یکفر مالم یوجد شیء  
من امارات الکفر و علاماته ولم یصدر عنه شیء من  
موجباته فاذا عرفت ذالک فاعلم ان اهل القبلة المتفقون  
على ما ذکرنا من اصول العقيدة و اختلفوا فی اصول آخر  
کمسئلة الصفات و خلق الاعمال ... الخ (3)



”اور جان لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہیں۔ جیسے عالم کا حادث ہونا۔ حشر اجساد، اللہ تعالیٰ کا کلیات و جزئیات کا علم اور اسی طرح کے دوسرے مسائل۔ جو بندہ پوری زندگی اطاعات اور عبادات میں لگا رہا لیکن اس کا عقیدہ یہ تھا کہ عالم قدیم ہے یا اس نے تقدیر کی نفی کی۔ یا اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کی نفی کی وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہوگا اور اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جب تک کسی انسان میں کفر کی علامات اور نشانیوں میں سے کوئی چیز نہ پائی یا کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو انہیں واجب کرنی والی ہو تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور جب تو نے یہ چیز جان لی تو یہ بھی جان لے کہ اہل قبلہ اس اصل عقیدہ میں جو ہم نے ذکر کیا۔ سب متفق ہیں اور دوسری چیزوں میں ان کا اختلاف ہے جسے اللہ تعالیٰ کی صفات اور خلق اعمال وغیرہم۔۔۔“

علامہ موصوف نے اسی مقام پر لکھا ہے

ان جمهور المتكلمين و الفقهاء على انه لا يكفر احد من اهل القبلة  
 ”جمہور متکلمین اور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہا جائے گا۔“  
 کہاں جمہور علماء و متکلمین کا یہ موقف کہ وہ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے اور کہاں یہ روش کہ جس نے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے صیغوں کے ساتھ درود سلام پڑھا بلا جھجک اسے مشرک قرار دے دیا۔ اور دوسری طرف جس نے کہا کہ میں ندائیہ صیغوں سے درود سلام پڑھنے کو درست نہیں سمجھتا اسے فوراً کافر کہہ دیا گیا اور اگر کوئی بندہ کسی مزار پر چلا گیا تو اسے مشرک کہہ دیا گیا اور اگر کسی نے کہا کہ میں مزاروں پر نہیں جاتا اسے کافر کہہ دیا گیا یا رفع یدین نہ کرنے والوں نے کرنے والوں کو کافر سمجھا اور کرنے والوں نے نہ کرنے والوں کو مشرک سمجھ لیا۔  
 کیا دلیل کے یہ معمولی اختلافات کفر و شرک سے نیچے نہیں رک سکتے؟ کیا مختلف مسالک کے اختلافات خوارج سے بھی زیادہ ہیں۔ اکابرین امت میں تو ان کا کفر بھی مختلف ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں۔

ان المذهب الصحيح المختار الذي قاله الاكثرون و

المحققون ان الخوارج لا يكفرون كسائر اهل البدع (1)

”بے شک صحیح مذہب جسے اختیار کیا گیا ہے جو اکثر محققین کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ خوارج کی بھی تکفیر نہیں جائے گی جیسے دیگر اہل بدعت کی تکفیر نہیں کی جاتی۔“

سوال یہ ہے کہ اگر خوارج کے کافر ہونے میں بھی اختلاف ہے اور محققین امت انہیں کافر نہیں کہتے تو کیا یہ مرحلہ ہمارے لیے تفکر و تدبر کا مقام نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی دوسرے کو کافر و مشرک کہنے پہ تلا ہوا ہے۔ ہمیں اس رجحان کو تبدیل کرنا ہوگا۔ مخالفین کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے سب کو مل کر باطل اور کفر کے خلاف کام کرنا ہوگا۔

اس رجحان کو بدلنے کی وجوہات

بہت سی ایسی وجوہات ہیں جو ہمیں اس رجحان کو تبدیل کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ایک فرقے کے نزدیک دوسرے فرقے کا کفر و شرک استدلالی اور ظنی ہوتا ہے اور ہمہ دانی کی فکر چھوڑ کے ظنی فکر پہ حکم نہیں لگانا چاہیے۔ جب احادیث مبارکہ سے یہ مفہوم واضح ہے کہ اگر دوسرا کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے تو ہمیں اپنے ایمان کی فکر کرتے ہوئے دوسروں کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ ہمارا علم تو بہر حال ظنی اور استدلالی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں فرقے کا فلاں عقیدہ کفریہ یا شرکیہ ہے اور حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس طرز فکر کو اپنانے سے بھی کم از کم کفر و شرک کے ان فتوؤں میں ضرور کمی آئے گی جس نے آج امت کو بے تحاشا نقصان پہنچایا ہے۔

۲۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر ہم میں سے ہر فرقہ ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر و مشرک ہے تو پھر امت مسلمہ کہاں ہے؟ اور مسلمان قوم دنیا کے کس خطے میں آباد ہے؟ جب ہم

کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمان ہیں تو وہ مسلمان کہاں ہیں۔

۳۔ اس کا تیسرا سبب یہ ہے کہ کیا کوئی بھی فرقہ اکیلا عالم کفر کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ خدا را! مسلمانوں کو کافر و مشرک ثابت کرنے کی بجائے انہیں زمرہ مسلمین میں ہی شمار کیا جائے تاکہ عالم کفر کا مقابلہ ممکن ہو۔

۴۔ اس کا چوتھا سبب یہ ہے کہ کفار اور باطل پرستوں کے نزدیک ہر وہ بندہ مسلمان ہے جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کہتا ہے ان کے نزدیک نہ کوئی دیوبندی ہے اور نہ بریلوی نہ شیعہ ہے اور نہ سنی۔ ان کے نزدیک ہر مسلمان صرف مسلمان ہے یہ ذیلی تقسیمیں ان کے لیے تو فائدہ مند ہو سکتی ہیں لیکن مسلمانوں پر جب ان کی یلغار ہوگی تو وہ سب کو مسلمان ہی تصور کریں گے۔

میں آج اگر زد پہ ہوں تو خوش گمان نہ ہو

چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

۵۔ اس روش کو بدلنے کا پانچواں سبب یہ ہے کہ اس الجھاؤ کے سبب ہم اس چیز سے ہٹ گئے ہیں جس کا ہمیں قیامت کو جواب دینا ہے اور ہماری ساری صلاحیتیں اسی چیز میں صرف ہو رہی ہیں جس کا قیامت کے دن ہمیں کوئی جواب نہیں دینا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سے یہ تو نہیں پوچھے گا کہ تم فلاں مسلک کو کافر و مشرک کہتے تھے یا نہیں البتہ یہ ضرور پوچھے گا کہ تم نے اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچانے میں کیا خدمت سرانجام دی تھی۔ کیا قوم کی بے عملی کا سوال رہبران قوم سے نہیں ہوگا؟

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا

مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

اور کیا قوم کی بے عملی کا ایک بڑا سبب یہی تو نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اسلام کا حقیقی پیغام ان تک نہیں پہنچا رہے؟ کیا یہ حقائق ہمیں اس روش کو بدلنے کی دعوت نہیں دے رہے؟

## اصل ذمہ داری کا شدید احساس

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ  
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ (آل عمران: ۱۱۰)

”تم بہترین امت ہو تمہیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔“

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری      ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری  
 زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری      کو کب قسمت امکاں ہے خلافت تیری  
 وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے  
 نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اقبالؒ)

منزل پہ پہنچنے کی کچی تڑپ ایک مسافر کو اتنا سنجیدہ اور ذمہ دار بنادیتی ہے کہ وہ ہر ایسی چیز سے دامن بچا کر گزر جاتا ہے جو منزل پر پہنچنے میں رکاوٹ ڈالتی ہے اس کے سامنے صرف اور صرف اپنی منزل ہوتی ہے وہ نہ راستے کے پر کیف نظاروں میں کھوتا ہے نہ کسی سے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے اگر کوئی اس سے الجھنا بھی چاہے تو وہ اس سے الجھے بغیر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

جس بھی انسان کے سامنے کسی عظیم مقصد کا حصول ہوتا ہے اس کی ساری توجہ اسی پہ مرکوز رہتی ہے۔ اگر کوئی اسے اس مقصد سے دور بھی کرنا چاہے تو وہ کمال ضبط اور غضب کی دانشمندی سے نہ صرف یہ کہ اپنے مقصد سے غافل نہیں ہوتا بلکہ اپنے دشمنوں کو بھی حصول مقصد میں مفید بنالیتا ہے۔ دانشمند وہ نہیں ہوتا جو ہر وقت دوسروں سے الجھا رہے بلکہ دانشمند اسے کہا جاتا ہے جو دشمنوں کو بھی اپنے مقصد کے حصول میں کارآمد بنالے۔

مسلم امت میں اختلاف کی خلیج کے وسیع سے وسیع تر ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنے اصل مقصد کا احساس نہیں رہا۔ مسلم امت کی اصل ذمہ داری یہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرتے رہیں۔ بلکہ ان کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ ہر اس بندے تک اللہ کا پیغام پہنچائیں جس تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔ اس وقت دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جس تک اسلام کا پیغام پہنچا ہی نہیں اور ہمارے مسلکی جھگڑوں نے ہمیں ایسا الجھا دیا ہے کہ ہماری ساری کوششیں ایک دوسرے کو ہی کافر و مشرک اور گمراہ ثابت کرنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانا ہمارے شیڈول سے خارج ہو جاتا ہے نہ صرف یہ کہ ہم اس ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے بلکہ ہمیں اس ذمہ داری کا شاید احساس بھی نہیں۔

وائے نا کامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(اقبال)

اگر ہم دنیاوی جھگڑوں میں ایک بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے باہمی اختلافات کو برداشت کرتے ہوئے بڑے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں تو کیا اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے؟ امت مسلمہ کی اصل ذمہ داری کیا ہے؟ اس کے وجود کا مقصد اولین کیا ہے؟ قرآن سنت میں بڑے واضح اور دونوک الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ کے وجود کا مقصد وحید پوری دنیا میں خیر کی دعوت کو پھیلانا اور شر کو روکنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْعَمْرِوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“  
 ”تم بہترین امت ہو تمہیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے تم لوگوں کو نیکی کا

حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“ (آل عمران: 110)

اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کو بیان کیا گیا ہے ایک تو مسلم امت کی دوسری امتوں پر فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی اس ذمہ داری اور اس فریضہ کو بیان کیا گیا ہے جو دیگر امم پر فضیلت اور برتری کا سبب ہے اور بتایا گیا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کی طرف بلانے اور برائی سے دور رکھنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہو۔ اس معروف و منکر کی بنیادی طور پر دو سطحیں ہیں۔ ایک سطح یہ ہے کہ لوگوں کو نماز، روزہ اور صدق و دیانت وغیرہم کی تلقین کی جائے اسے اصلاح بھی کہا جاسکتا ہے اور دوسری کافروں کو ایمان کی دعوت دینا اور انہیں کفر و شرک سے بچانا ہے کیونکہ ایمان سب سے بڑی نیکی اور کفر سب سے بڑی برائی ہے۔ اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ سب سے اہم مظہر ہے۔

لیکن شومی قسمت سے جب سے امت مسلمہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے پہ لگ گئی ہے ان کے وجود کا اولین سبب اور ان کا سب سے بڑا فریضہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا ان کی زندگی کے شیدول سے ہی خارج ہو گیا ہے۔ امت مجموعی حیثیت سے اس

فریضہ کو سرانجام نہیں دے رہی جو اسلام آج بھی پھیل رہا ہے اس کا سبب اللہ کے چند مخلص بندے جو انفرادی طور پر یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور اسلام کے دین فطرت ہونے کے ناطے وہ اسلام کی کشش ہے جس کے سبب اسلام پھیل رہا ہے لیکن مجموعی اور منظم حیثیت سے اس فریضہ کو ادا کرنے میں ہمیں ناکامی کا سامنا ہے کیونکہ آپس کے کفر و شرک ثابت کرنے میں ہمارے پاس اتنا وقت بچتا ہی نہیں کہ ہم اس فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں۔ شاید اسی سبب سے قرآن مجید میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور فرقہ بندی سے بچنے کا حکم اکٹھا دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠١﴾ (آل عمران)

”اور تم میں سے ایسے لوگ ضرور ہونے چاہیں جو لوگوں کو نیکیوں اور اچھائیوں کی طرف بلائیں۔ صحیح باتوں کی تلقین کریں اور برائیوں سے روکیں۔ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور تم ہرگز ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا۔ جو مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ اور انہوں نے روشن نشانیاں آجانے کے بعد اختلاف کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا“

امر بالمعروف کا فریضہ حسب استطاعت ہر مسلمان پر فرض عین ہے یعنی اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو نیکی کی طرف بلائے اور انہیں برائی سے بچنے کی تلقین کرے اور یہاں تک اس کی استطاعت میں ہو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں شر سے روکے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذالك اضعف الايمان رواه مسلم



و الترمذی و ابن ماحہ والنسائی (1)

”تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اس چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اسے ختم کرے اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اسے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے وہ مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

”اے لوگو! نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اس سے پہلے کہ تم اللہ سے دعائیں مانگو اور وہ تمہاری دعائیں قبول نہ کرے تم اللہ سے بخشش کا سوال کرو اور وہ تمہاری بخشش نہ کرے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے سے نہ روزی کم ہوتی اور نہ موت جلدی آتی ہے۔ یہود کے احبار اور نصاریٰ کے راہبوں نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ان پر لعنت فرمائی پھر سب مصیبتوں میں گرفتار کر دیئے گئے۔“ (2)

حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدر  
على ان يغيروا عليه ولا يغيرون الا اصابهم الله منه بعقاب

قبل ان يموتوا رواه ابو داؤد (3)

”جب بھی کوئی آدمی کسی قوم میں برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ لوگ اسے روکنے پر قدرت رکھتے ہوں لیکن اسے نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مرنے سے پہلے انہیں کسی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔“

انفرادی طور پر یہ فریضہ سرانجام دینا حسب استطاعت ہر انسان پر لازم ہے۔ اور اجتماعی اور منظم انداز میں اس فریضہ کو سرانجام دینا یہ اس امت پر فرض کفایہ ہے۔ یعنی

1۔ الترغیب والترہیب رقم الحدیث ۳۳۹۷۔ کتاب الحدود باب الترغیب فی الامر بالمعروف الخ

2۔ نفس مصدر۔ رقم الحدیث ۳۳۱۳

3۔ نفس مصدر۔ رقم الحدیث ۳۳۱۳

انفرادی دعوت و ارشاد کا فریضہ سرانجام دینے کے باوجود اس امت پر لازم ہے کہ یہ ایک ایسا گروہ تیار کرے۔ جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں شر سے بچنے کی تلقین کرے۔ اس کی اعلیٰ ترین شکل کفار و مشرکین تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے کیونکہ کفر سب سے بڑا منکر اور ایمان سب سے بڑا معروف ہے۔ اس آیہ کریمہ میں اس فریضہ کو سرانجام دینے کا حکم دینے کے بعد امت مسلمہ کو اختلاف و انتشار سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ جب کوئی قوم آپس میں لڑتی، جھگڑتی رہتی ہے تو وہ اپنا اصل فریضہ انجام دینے سے غافل رہتی ہے اور اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم کے اس حکم کی صداقت آج ہم سب پر عیاں ہے۔

ہم انفرادی طور پر اس فریضہ کو سرانجام دینے میں ناکام رہے ہیں اور اجتماعی طور پر بھی۔ انفرادی طور پر حالت یہ ہے کہ لوگوں کا یہ خیال بن گیا ہے کہ وہ مستحب یا مکروہ تنزیہی کے مسائل میں ضرور جھگڑتے ہیں لیکن کسی حرام کے مرتکب کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ سال میں ایک مرتبہ فلاں عمل کر لینا میری بخشش کے لیے کافی ہے اگرچہ میں پورا سال نماز نہ پڑھوں اور منکرات کا ارتکاب کرتا رہوں۔ اور کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ کسی کو کافر و مشرک کہنا ہی اسلام ہے اور دیگر محرمات پر ان کے کان پہ جوں تک نہیں ریگتی۔ عملی طور پر لوگ اس روش پہ چل نکلے ہیں کہ انہیں جہاں لڑنا چاہیے وہاں نہیں لڑتے اور یہاں نہ لڑنا چاہیے وہاں لڑتے ہیں مثلاً نماز کے بعد اونچی آواز سے کلمہ پڑھنے والا نہ پڑھنے والے سے جھگڑے گا اور نہ پڑھنے والا پڑھنے والے سے لڑے گا۔ حالانکہ یہ ایک مستحب یا مکروہ کا معاملہ ہے لیکن سود خور سے کوئی نہ لڑے گا تارک نماز سے کوئی نہیں جھگڑے گا نہ کوئی واجبات کے ترک پر الجھے گا اور نہ ہی فرائض چھوڑنے پر۔ اور اجتماعی طور پر یہ چیز شاید ہم نے سوچنا ہی ترک کر دی ہے کہ دنیا کے جن علاقوں میں ابھی تک اسلام نہیں پھیلا اور جو کروڑوں انسان ابھی تک اسلام کے پیغام سے نا آشنا ہیں انہیں اسلام پہنچانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ آپس کے جھگڑوں سے وقت بچے تو انسان دیگر مسائل پہ غور کر سکتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر۔ یہ اس امت کے وجود کا مقصد اولین ہے لیکن باہمی اختلافات نے ہمیں اس قدر الجھا دیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہم اس فریضہ کو ادا نہیں کر رہے بلکہ اس کی ادائیگی کا احساس اور شعور تک باقی نہیں رہا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اسی طرح خاتم المرسلین ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی امت، بنی نوع انسان اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان واسطہ ہے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ  
يَكُونَ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرہ: 143)

”اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے۔“

اس آیت طیبہ میں اس امت کے منصب کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ امت دیگر امتوں اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطہ ہے جیسے رسول کریم ﷺ اس امت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں۔

مولانا وحید الدین خان اس تناظر میں لکھتے ہیں۔

”وسط کے معنی بیچ کے ہیں یعنی وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان ہو (وسط الشیء ما بین طرفیہ) مثلاً عربی میں کہا جاتا ہے قبضت وسط الحبل (میں نے رسی کے بیچ میں پکڑا) یا جلست وسط القوم (میں لوگوں کے درمیان بیٹھا) اموی حاکم حجاج بن یوسف نے کوفہ اور بصرہ کے بیچ میں ایک شہر بسایا تھا اسی لیے اس کو واسطہ کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ایک ایسے مقام پر تھا جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع تھا سموہ واسطاً لانہ مکان وسط بین البصرة والكوفة (لسان العرب/ ۳۲۷-۳۲۶)

طبری نے نقل کیا ہے کہ وسط سے مراد وہ چیز ہے جو دو کناروں کے بیچ میں ہو (الذی

ہو بین الطرفين) ابن زید نے کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدی نبی ﷺ اور دوسری قوموں کے درمیان ہے (ہم وسط بین النبی و بین الامم) تفسیر طبری ۲/ ۸۔۶..... اس کا مطلب یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد یہ امت رسول اور اپنی ہم عصر قوموں کے درمیان ہے۔ اس کو رسول سے لیکر دوسری قوموں تک پہنچانا ہے۔ دعوتی عمل میں اس کو درمیانی ذریعہ کا کردار ادا کرنا ہے۔“ (1)

حقائق کا سامنا کرتے ہوئے اور انتہائی ٹھنڈے دل سے ہمیں اس حقیقت پر غور کرنا ہے کہ کیا ہم اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں۔ اگر نہیں کر رہے تو کیا اس کا سبب یہ تو نہیں کہ ہم مسلکی اختلافات میں اس قدر الجھ گئے ہیں کہ ہمیں اپنے اصل فریضہ کی ادائیگی کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ امت کی اس بنیادی ذمہ داری اور اس میں ناکامی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جذبات کی روانی اور احساس کی شدتیں ملاحظہ ہوں۔

”یہ دین قیم جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ و اشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغام رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالم گیر پیغام ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کے رہ جائے گا۔ اور یہ اس پیغام سے بھی نا انصافی ہوگی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہوگا جو گھپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں۔ جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔ نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے۔ اس کے آئینہ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے۔ ان کی گرمی عمل بھی سستی کا شکار ہو سکتی ہے۔ ارد گرد کے گمراہ کن تاثرات سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا، ان کی گرمی عمل باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبی تاثرات و تحریکات

سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں خود اس قدم میں راہ پاسکتی ہیں جو اس دین کی علمبردار ہے۔ یہ دونوں کام یعنی ملت اسلامیہ کو شاہراہ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغام رشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں۔ اس لیے ایک ایسی جماعت کا تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظہر کامل ہو۔ ان میں علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کیلئے جس بڑی سے بڑی مالی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے۔ وہ پوری ہونی چاہیے اگر ملت اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کی جوابدہ ہوگی۔ تاریخ شاید ہے کہ جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشن اسلام میں فصل بہار رہی۔ جب تک مدبروں، باسیامیہ غریبی، رازی، سعدی اور بیضاوی، اور خانقاہیں رومی، جویری، اجمیری، زکریا ملتانی، شیخ سرہندی رضی اللہ عنہم و عن مشائخہم و امثالہم ایسی فخر روزگار ہستیاں تیار کرتی رہیں۔ کفر کے ظلمت کدے اسلام کے نور سے روشن ہوتے رہے۔ حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخر کرتی رہی۔ لیکن اب؟ رویم بنین عالم پیرس۔ میرا چہرہ دیکھ لو۔ اس پر میری حرماں نصیبوں کی داستان کندہ ہے۔ میرا حال پوچھو نہیں یہ اتنا درد انگیز ہے کہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی ہمت اور نہ تم میں سننے کی تاب۔ اے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ اے گنبد خضراء کے مکین چارہ سازی کر! (۱)

کسی بات کو سلجھانا جتنا مشکل ہوتا الجھانا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ بات کو الجھائے اور بحث برائے بحث کئے بغیر ہمیں احساس کی پوری شدتوں کے ساتھ اس حقیقت پہ غور کرنا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمیں اپنی ان ذمہ داریوں کا احساس بھی ہو اور ہم آپس میں اتنا الجھ بھی

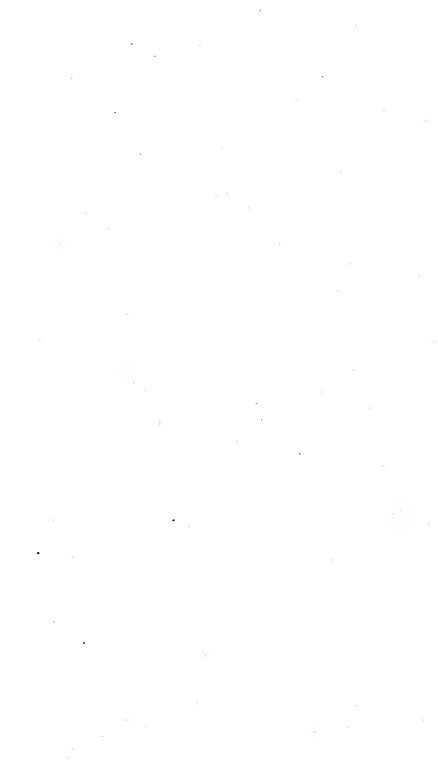
جائیں کہ ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہ بچے کہ ہم اپنی اصل ذمہ داریوں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ قوم حقیقی دین سے دور چلی گئی۔ رسم و رواج کو دین سمجھنے لگی۔ کہیں قتل و غارت گری کو دین بنا لیا گیا اور کہیں فرسودہ روایات کو۔ اس کا بہت بڑا سبب یہ تو نہیں کہ آپس کے اختلافات نے ہمیں مقصد اصلی سے دور کر دیا ہے۔

مقصد سے سچی لگن بہت سے باہمی اختلافات پر سمجھوتہ کروا دیتی ہے۔ ایک دوکاندار اپنی چھوٹی سی دوکان کو کامیاب کرنے میں اپنے دشمن سے بھی خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی اس دوکان کو کامیاب کرنا ہے یہ میری روزی کا معاملہ ہے۔ وہ کسی گاہک کی گرم سرد بات بھی محض اس لیے برداشت کر لیتا ہے کہ اس کی دوکان پر لڑائی جھگڑا نہ ہو اور اس کی شہرت پر برا اثر نہ پڑے۔

تو جس انسان کو یہ شعور ہو کہ میری زندگی کا مقصد دنیا کے چپے چپے پر اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ میں اس لیے نہیں ہوں کہ دوسرے مسلمانوں کو ہی کافر و مشرک ثابت کرتا رہوں بلکہ میری زندگی کا مقصد وحید یہ ہے کہ میں عالم کفر میں اسلام کا نور پھیلاؤں۔ جن بندوں تک اسلام کا سچا پیغام نہیں پہنچا میں ان تک یہ پیغام پہنچاؤں۔ اس دنیا میں مسلمان کی حیثیت کیا ہے اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ اس کا جواب علامہ اقبال سے سنیں۔

مکاں فانی مکیں آئی، ازل تیرا، ابد تیرا  
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے  
حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا  
تیری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے  
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

کیا ذمہ داری کا یہ احساس ہمیں باہمی اختلافات بھلا کر سرگرم عمل ہونے کی دعوت دینے کے لیے کافی نہیں؟



## وسعت مطالعہ کا شعور اور دیانت علمی

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ  
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا  
اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ  
عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ①

(آل عمران: ۷۰)

”جن لوگوں کے دلوں میں الجھاؤ ہے وہ فتنہ انگیزی اور من گھڑت معانی تیار کرنے کی غرض سے مشابہ آیات کے پیچھے رہتے ہیں حالانکہ ایسی آیات کا صحیح مفہوم خود اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے جن لوگوں کے علم میں گہرائی، پختگی اور حق نگاہی ہے وہ کہتے ہیں ہمارا ایمان اس پر مکمل ہے یہ سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی جانب سے ہے اور نصیحت کو تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلوں والے ہیں۔“

(از عرفان القرآن)



ترے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے  
 ترا دم گرم محفل نہیں ہے  
 گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور  
 چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

(اقبال)

اختلافات کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں ایک بڑا حصہ وسعت مطالعہ اور امانت علمی کی کمی کا بھی ہے۔ اس سے میرٹی مراد یہ ہے کہ کسی مصنف کی پوری کتاب کو نہ پڑھنا صرف اس کی کوئی عبارت لے لینا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن کتابوں کی عبارتیں نقل در نقل چلتی آرہی ہیں اور اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرتی جارہی ہیں وہ کتابیں ان لوگوں نے پڑھی ہی نہیں ہوتیں اور صرف نقل در نقل عبارتوں سے ایک دوسرے پر الزامات و اتہامات کی پوچھاڑ کر دی جاتی ہے۔ یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ کسی کتاب کو بالاستیعاب پڑھنے سے مجموعی تاثر اور ہوتا ہے اور صرف ایک جملہ اور وہ بھی ایک خاص نقطہ نظر سے پڑھنے سے تاثر اور ہوتا ہے۔

شدت اور انتہا پسندی کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے جس کسی انسان کا مطالعہ کتابوں کی بجائے جملے پڑھنے تک محدود ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایک خاص فکر کے تحت۔ اگر کوئی انسان کسی مصنف کے پورے لٹریچر کو پڑھے تو اسے اس سے جتنا بھی اختلاف ہوگا پھر بھی قتل و غارت گری تک نوبت نہیں جائے گی۔ اور اصل کتابوں کو تو شاید دیکھنا بھی نہیں اور نقل در نقل عبارتیں پڑھ کے نظریہ قائم کر لینا یہ اختلاف و انتشار کا بہت بڑا سبب ہے۔ مثلاً برصغیر میں ”حدائق بخشش“ کو ایک متنازعہ کتاب بنا دیا گیا ہے لیکن ہمیں اللہ کو حاضر و ناظر جان کے سوچنا ہے کہ ہم میں سے کتنوں نے اسے بالاستیعاب پڑھا ہے اور اگر پڑھا بھی ہے تو کسی زاویہ نگاہ سے کسی بھی کتاب کو صرف اپنے مطلب کے جملے حاصل کرنے کے لیے پڑھنا اور چیز ہے اور مصنف کی رائے سمجھنے کے لیے پڑھنا اور چیز ہے۔

ہم پر یہ فکر اس حد تک مسلط ہو گئی ہے کہ اول تو ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کی کتابیں پڑھنے کو ہی گمراہی تصور کرتے ہیں اور اگر کچھ علماء پڑھتے بھی ہیں تو صرف دوسروں کو گمراہ اور جاہل ثابت کرنے کے زاویہ نگاہ سے ہم اس بات کو عموماً فراموش کر دیتے ہیں کہ علم کسی کی میراث نہیں ہے۔ ہر حکیم جو دوکان کھولے بیٹھا ہے اس کے پاس کوئی نہ کوئی نسخہ تو

لازمی ہوگا۔ ہر مسلک اپنے پاس کوئی تو علم کی بات رکھتا ہوگا کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم تعصب کی عینک اتار کے ایک دوسرے کے علماء کی کتابیں پڑھیں۔ اس سے لازمی طور پر ایک مثبت فکر پروان چڑھے گی اختلاف رہے گا لیکن قتل و غارتگری کا ماحول نہیں بنے گا۔

جو لوگ علم و فن میں بلند ترین مقام پہ پہنچے ہیں ان کا بھی کوئی مسلک ہوتا ہے لیکن ان میں دوسروں کو کافر و مشرک ثابت کرنے کی وہ دھن نہیں ہوتی جو نچلے طبقوں میں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سب کو پڑھتے ہیں اور اچھی باتیں لینے کے لیے نہ کہ صرف دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے لیے۔ اگر کسی بھی انسان کا مطالعہ ایک مخصوص خول سے باہر نہیں آئے گا تو ظاہر ہے وہ اختلاف و انتشار کے بیج ہی بوئے گا۔

وسعت مطالعہ سے دوری اور صرف جملے پڑھ کے ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کی روش اتنی عام ہے کہ جس پر کچھ کہنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہے کاش صرف جملے پڑھنے کی بجائے ہم پوری کتاب کو امانتداری سے پڑھنے کی روش پر چل نکلیں تو اختلاف و انتشار کی آگ میں کافی حد تک کمی آسکتی ہے۔

کلام کو سیاق و سباق سے کاٹ کر صرف جملے پڑھ کر ان پر فتوے لگانے سے کفر و شرک کی جو مشین چلتی ہے۔ اس کی ایک جھلک موسس جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی زبانی ملاحظہ ہو۔ یاد رہے کہ آپ کو مولانا کی ان وضاحتوں سے اتفاق ہے یا اختلاف مجھے اس سے بحث نہیں میں تو صرف ایک فکر اور روش کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا لکھتے ہیں۔

”میرے خطبات کا یہ مجموعہ سب سے پہلے نومبر ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا نومبر ۱۹۵۱ء تک گیارہ سال کی مدت میں اس کے سات ایڈیشن تقریباً بیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوئے اور پوری مدت میں کسی کو اس کے اندر کوئی فتنہ نظر نہ آیا۔ مگر جب علماء کرام کسی وجہ سے (جس کا علم یا اللہ کو ہے یا خود ان کو) مجھ سے اور جماعت اسلامی سے ناراض ہو گئے تو میری دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب میں سے بھی ان کی نگاہ فتنہ جوئے کچھ فتنے ڈھونڈ نکالے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ مفتی صاحبان نے خود پوری کتاب پڑھ کر دیکھی تھی یا

کسی کو محض اس خدمت پر مامور فرمادیا تھا کہ اس کو پڑھ کر کچھ ایسے فقرے نکال دے جن پر فتویٰ جڑا جاسکے۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، ان کی نگاہ پوری کتاب میں سے چند فقروں پر جا کر ٹھہری جو انیسویں اور پچیسویں خطبے میں ان کو ملے

انیسویں خطبے کے یہ فقرے ان کی توجہات کا ہدف بنے ہیں

”اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز، روزہ اور ایمان کی شہادت، سب بیکار ہیں کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا“۔ ص ۲۰۲

”ان دو ارکان اسلام (یعنی نماز و زکوٰۃ) سے جو لوگ روگردانی کریں ان کا دعوائے ایمان ہی جھوٹا ہے“۔ ص ۲۷۰

”قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو“۔ ص ۲۱۱

اور پچیسویں خطبے کے یہ فقرے انہوں نے فتویٰ لگانے کے لیے چھانٹے ہیں رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر یہ خیال نہیں آیا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمے ہے۔ دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گزرتا۔ وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے (ص ۲۸۰-۲۸۱)

ان عبارات پر یہ فتویٰ لگایا گیا ہے کہ میں خارجی اور معتزلی ہوں۔ مسلک اہل سنت کے خلاف، اعمال کو جزو ایمان قرار دیتا ہوں اور بے عمل مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہوں۔

حیرت یہ ہے کہ ان فقروں سے متصل ہی دوسرے فقرے موجود تھے جن سے نہ صرف میرے اصل مدعا کی توضیح ہوتی تھی۔ بلکہ اس الزام کا جواب بھی ان سے مل سکتا تھا۔ مگر مفتی صاحبان کی ان پر یا تو نگاہ نہیں پڑی یا مفید مطلب نہ ہونے کی وجہ سے قصداً انہوں نے ان کو نظر انداز کر دیا۔ مثلاً پہلے فقرے کو اوپر کے فقرے سے ملا کر پڑھئے تو پوری عبادت یوں

بنے گی۔

”یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس طرح جنگ کی جیسے کافروں سے کی جاتی ہے حالانکہ وہ لوگ نماز پڑھتے تھے اور خدا اور رسول ﷺ کا اقرار کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز، روزہ اور ایمان کی شہادت سب بے کار ہیں۔ کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔“

اسی طرح آخری فقرے سے پہلے میں نے قرآن مجید کی ایک آیت، نبی ﷺ کی دو حدیثیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی نقل کیا تھا جو میرے بیان کی توثیق کر رہا تھا۔ مگر نگاہ انتخاب اس پوری عبارت کو چھوڑ گئی۔ یہ کرتب ہیں ان بزرگوں کے جو ہمارے ہاں علم دین کے معلم اور تزکیہ نفس کے ماہر بنے ہوئے ہیں۔

پھر اسی کتاب میں میرا ایک پورا خطبہ اس موضوع پر موجود ہے کہ میں اس کتاب میں دراصل کس اسلام و ایمان سے بحث کر رہا ہوں (ملاحظہ ہو خطبہ نمبر ۹) اس میں میں نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ ایک تو ہے وہ قانونی اسلام جس سے فقیہ اور متکلم بحث کرتے ہیں۔ جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص اس کی آخری سرحد کو پار نہ کر جائے۔ اس کو خارج از ملت ٹھہرا کر ان تمدنی و معاشرتی حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا جو اسلام نے مسلمانوں کو دیئے ہیں۔ دوسرا وہ حقیقی اسلام و ایمان ہے جس پر آخرت میں آدمی کے ایمان یا نفاق یا کفر کا فیصلہ ہوگا۔ میں نے ان دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے اس خطبہ میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مقصد صرف پہلی قسم کے مسلمان بنانا کے چھوڑ دینا نہ تھا، بلکہ ان کے اندر وہ حقیقی ایمان پیدا تھا جس میں اخلاص اور اطاعت اور فدائیت کی روح پائی جاتی ہو۔ اس کے بعد میں نے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم صرف اس اسلام پر قانع نہ ہو جاؤ جس کی آخری سرحد پار کرنے سے پہلے کوئی مفتی تمہیں کافر نہ کہہ سکے بلکہ اس اسلام و ایمان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر کرو جس سے خدا کے ہاں تم واقعی ایک

مخلص اور وفادار مومن قرار پاسکو۔ میری یہ ساری بحث اگر مفتی صاحبان پڑھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب میں نے دراصل کس غرض کے لیے لکھی ہے اور پھر اس کتاب کا ایک ایک لفظ شہادت دیتا ہے کہ اول سے آخر تک اس کے سارے خطبوں میں یہی غرض میرے پیش نظر رہی ہے مگر مفتیوں کو اس سے کیا بحث کہ کتاب اور اس کے مصنف کا مدعا کیا ہے ان کو تو تلاش ایسے فقروں کی تھی جنہیں سیاق و سباق سے الگ کر کے ایک فتویٰ لگایا جاسکے ان کے لیے فتویٰ ایک دینی حکم نہیں ہے جسے لگانے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہو بلکہ ایک لٹھ ہے جس کو لوگوں سے ذاتی رنجشوں کا بخار نکالنے کے لیے وہ جب ضرورت محسوس کرتے ہیں استعمال کر لیتے ہیں..... (1)

میں تسلیم کرتا ہوں کہ طویل اقتباس کا درج کرنا حسن تحریر کے بھی منافی ہے اور اصول تحقیق کے بھی۔ لیکن اگر بات کی وضاحت اسی طرح ممکن ہو تو قارئین سے معذرت کے ساتھ اس جسارت کی اجازت ہونی چاہئے۔ اس اقتباس کو درج کرنے کا مطلب نہ کسی کی تردید ہے اور نہ وکالت، میں اس فکر کا صرف ایک عکس پیش کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے ہاں مروج ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں مسلکی اختلافات پر مبنی لٹرچر عموماً اسی فکر کی روشنی میں لکھا جاتا ہے میں بغیر کسی کا نام لیے اور بغیر کسی پر طنز کیے اس کی چند جھلکیاں پیش کرتا ہوں۔

امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں۔

مولیٰ علی نے داری تری نیند پر نماز  
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے  
صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے  
اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے  
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز  
پروہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروغ میں

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے ۲

ان اشعار کو پڑھنے والا شخص فوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان اشعار میں حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا درس دیا ہے اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ تعظیم رسالت سب فرائض سے بڑا فرض ہے۔ لیکن مسلکی اختلافات کے جوش میں صرف آخری مصرع لکھ کر شہ سرخی لگائی گئی کہ ”امام احمد رضا خان لوگوں کو انگریز کی غلامی کا درس دیتے تھے کیونکہ وہ لکھتے ہیں

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے“

اگر امانتداری اور سیاق و سباق سے ان اشعار کو پڑھا جاتا تو مفہوم بالکل واضح تھا۔ لیکن صرف ایک مصرع پڑھ لینے سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا۔

آپ مسلکی جوش میں لکھی گئی کوئی کتاب اٹھائیں اسے انتہائی امانتداری سے پڑھیں اور اصل کتاب سے اس کا تقابل کریں تو آپ محسوس فرمائیں گے کہ اکثر اعتراضات صرف سیاق و سباق قطع نظر کر لینے کی وجہ سے ہوں گے۔

ایک مقام پر امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے

میں وہ کہ بدی کو عار آقا (۱)

شعر کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ آپ پر کرم کو بھی ناز ہے یعنی آپ اتنے کریم ہیں کہ آپ پر کرم بھی نازاں ہے اور میں اتنا گنہگار ہوں کہ مجھ پر بدی بھی شرماتی ہے۔ اتنے بڑے محدث فقیہ اور لاکھوں انسانوں کے مقتداء کا یہ کہنا دراصل ان کے عجز و انکسار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایسے ہی آپ فرماتے ہیں۔

بدی، چور سہی مجرم و نا کارہ سہی

اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریم تیرا (۲)

اپنے تمام علم و فضل، زہد و تقویٰ اور مقام و مرتبہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس شعر میں کس قدر عاجزی و انکساری کا اظہار ہے ایک مجدد و وقت کا یہ کہنا کہ میں جتنا بھی ناکارہ ہوں آخر تمہارا ہوں، ذوق لطیف پر ایک کیف طاری کر دیتا ہے لیکن مسلکی اختلاف نے ان اشعار کو سیاق و سباق سے الگ کر دیا۔ اور انہیں امام احمد رضا خان کے لیے بہت بڑا عیب ثابت کرنے کی کوشش کی۔

ان اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے جو لکھا گیا۔ اسے پڑھئے اور مسلکی اختلاف کے جوش میں حقیقتوں کے مسخ کرنے کا منظر دیکھئے۔

”ان مذکورہ اقوال میں مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنے بارے میں لکھا، خوار، بیمار، خطاوار، گناہگار، بدچور، مجرم، ناکارہ، نگہر کے نگہاٹ کے، نہ مصطفیٰ کے در کے اور سگ وغیرہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور ان اقوال سے زیادہ قوی کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ اپنی ذات کے بارے میں خود ان کے اپنے ریمارکس ہیں۔ اور اپنی ذات کے بارے میں ہر آدمی کو بدیہی علم ہوتا ہے اور دوسرے کے بارے میں ظنی اور تخمینی۔

ان یقینی اور بدیہی اقوال سے ثابت ہوا کہ مولوی احمد رضا خان کو ایک عام آدمی بھی بشکل مانا جاسکتا ہے چہ جائیکہ وہ ایک فرقہ کا مقتدا و امام و مجدد کہلائے۔ مگر تعجب تو اس قوم اور بھولی بھالی بیٹھروں پر ہے کہ جنہوں نے انگریز کی معنوی اولاد کو اپنا مقتدا سمجھا ہوا ہے۔ (1) یہ عبارت میں نے انتہائی بوجھل دل اور انتہائی ناگواری کی کیفیت میں درج کی ہے۔ اس کا حوالہ بھی صرف اس لیے دیا ہے تاکہ کوئی ان باتوں کو خلاف عقل سمجھتے ہوئے ناممکن خیال نہ کرنے لگے۔ یہ الزام کسی ایک مسلک پر نہیں ہے کم و بیش ہر جگہ اس کے بڑے وافر نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

متکلم کی مراد سے ہٹ کر مفہوم لینا اور عبارت کو سیاق و سباق سے قطع کر کے الزامات کی بوچھاڑ کر دینا ایک ایسا رجحان ہے جس نے امت میں اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع



تر کر دیا ہے۔ کیا یہ علمی بددیانتی نہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ عبارت کو سیاق و سباق کے تناظر میں پڑھ کر اس کا مفہوم متعین کیا جائے اور کسی بھی مصنف پر الزامات کے بوچھاڑ کرنے سے قبل اس کے لٹریچر کو امانت داری سے پڑھنے کا شعور اجاگر کیا جائے۔

میں مختلف مسالک سے اس فکر کے چند نمونے پیش کرنا چاہتا تھا لیکن یہ ناگوار عمل میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ امت کو جس وحدت کی دعوت دینا مقصود ہے شاید یہ اس کے منافی ہے۔ درج کیے گئے حوالوں کو مسلکی دائرہ سے اوپر اٹھ کر نا صرف ایک فکر کی ایک مثال سمجھئے۔ کسی کی تردید یا وکالت نہیں اور ہر مسلک کی مثال دینا میرے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے میں اس بھڑوں کے چھتے کو مزید نہیں چھیڑنا چاہتا۔ بہر حال اگر کسی پر تنقید سے قبل امانت داری سے اس کی عبارت کو اس کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے صرف جملوں کی بجائے اصل کتاب پڑھی جائے۔ مختلف مسالک کی کتب کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور انفرادی رائے کسی مسلک پر نہ ٹھونی جائے۔ تو اس امت کے بہت سے اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے ورنہ

جو میں نے دیکھا جو میں نے سمجھا کہوں تو فطرت بھی کانپ اٹھے  
قلم ہے قاصر زباں ہے عاجز ابھی مناسب فضا نہیں ہے

## مسلمک یا اسلام؟

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادٍ ۖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ  
عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ  
سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا الْخ (الحج: ۷۸)

”اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اس نے تمہیں برگزیدہ کر لیا اور دین میں تم پر کچھ تنگی نہ رکھی (تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلی کتابوں میں اور اس (قرآن) میں۔“ (از البیان)

سینہ ہے تیرا میں اس کے پیام ناز کا  
 جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے، پنہاں بھی ہے  
 ہفت اختر جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ  
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے  
 تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا  
 ورنہ گلشن میں علاج جنگی داماں بھی ہے

(اقبالؒ)

مسلم کے متعلق ہم افراط و تفریط کا شکار رہیں۔ کچھ لوگ جو اپنے آپ کو زیادہ اعتدال پسند اور پڑھا لکھا ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم صرف مسلمان ہیں ہمارا کوئی مسلمک نہیں اور کچھ لوگ اپنی پوری زندگی مسلمک کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے ہیں مجھے کسی کے اخلاص اور نیک نیتی میں تو شبہ نہیں تاہم یہ دونوں نقطہ ہائے نظر افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔

ہر مسلمان کا ایک مسلمک بھی ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا کوئی مسلمک نہیں میں تو صرف مسلمان ہوں وہ یا تو دینی تعلیمات سے بالکل ناواقف ہے یا بہت بڑا منافق ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان ہو اور اس کا کوئی مسلمک نہ ہو۔ جو بندہ کہتا ہے کہ میں صرف مسلمان ہوں میرا کوئی مسلمک نہیں اس سے پوچھا جائے گا کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق تھی یا ناحق۔ اگر حق مانتا ہے تو سنی ہے نہیں مانتا تو شیعہ ہے۔ اب نماز میں رفع یدین کرتا ہے یا نہیں اگر نہیں کرتا تو حنفی ہے اگر کرتا ہے تو غیر حنفی تقلید شخصی کا قائل ہے یا نہیں اگر ہے تو مقلد ہے نہیں تو غیر مقلد۔ کیا نبی کریم ﷺ کا عطائی علم غیب مانتا ہے یا نہیں انبیاء و اولیاء کے باذن اللہ تصرفات مانتا ہے یا نہیں۔ اگر مانتا ہے تو بریلوی ہے نہیں مانتا تو دیوبندی ہے یا اہل حدیث ہے قس علیٰ ہذا

جو بندہ دین کا علم رکھتا ہے کیسے ممکن ہے کہ اس کا کوئی مسلمک نہ ہو۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس کی جدوجہد اور کوششوں کا دائرہ کار کیا ہونا چاہیے۔ کیا وہ پوری زندگی مسلمک کی خدمت میں ہی صرف کر دے یا اسے ترجیح اسلام کی خدمت کو دینی چاہیے اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے ہمیں اسلام اور مسلمک کا دائرہ کار متعین کرنا پڑے گا۔

مسلمک اور اسلام

اگر کسی سے کہا جائے کہ بھی مسلمک کے لیے ہی کام نہ کرو دین کے لیے بھی کام کرو وہ فوراً یہ سوال کرتا ہے کہ مسلمک دین کے علاوہ کوئی چیز ہے یا کیا مسلمک اور اسلام ایک

دوسرے سے الگ ہیں؟ اور کیا یہ کوئی متضاد چیزیں ہیں؟

گزارش یہ ہے کہ مسلک اور اسلام ایک دوسرے سے متضاد اور متباین چیزیں تو قطعاً نہیں ہیں لیکن مسلک اور اسلام ایک دوسرے کے مترادف بھی نہیں۔ اسلام کل ہے اور مسلک اس کا ایک جز ہے۔ کل سے روگردانی کر کے ساری زندگی ایک جز پر لگا دینا کوئی وقت کا اچھا مصرف نہیں ہے۔ مسلک دین کی ایک ذیلی تقسیم ضرور ہے لیکن یہ کل دین نہیں ہے۔ دین کا مغز رجوع الی اللہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

”یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول (لوگوں کو یہ پیغام دینے کے لیے) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچ کر رہو۔“ (النحل: 36)

اور مسلک اسلام کو قبول کر لینے کے بعد کسی ذیلی نظریاتی یا عملی اختلاف سے پیدا ہوتا ہے اسلامی عقائد جن پر کفر و اسلام کا دار و مدار ہے۔ قطعی ہوتے ہیں اور مسلکی اختلافات عموماً ظنی ہوتے ہیں۔

اب مسلک اور اسلام میں موجود فرق کو سمجھنے کے لیے ہم ایک مثال پہ غور کرتے ہیں۔ ایک بندہ کسی کافر کو اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ یا دیکسی بے نمازی کو نماز کی تلقین کرتا ہے۔ یا کسی سود خور کو سود چھوڑنے کی تلقین کرتا ہے تو وہ اسلام اور دین کے لیے کام کر رہا ہے اور اگر ایک بندہ اپنی کوششیں اس چیز پہ صرف کر رہا ہے کہ تم نے رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا اذان سے پہلے درود و سلام پڑھنا ہے یا نہیں پڑھنا تو یہ بندہ مسلک کی سطح پر کام کر رہا ہے۔ تراویح کتنی پڑھنی ہیں، مزاروں پہ جانا ہے یا نہیں علم غیب تصرفات اور درود و سلام کے صیغے یہ سب مسلکی اختلافات ہیں اسلامی نہیں۔ میری مراد اسلامی نہ ہونے سے کفر یہ ہونا نہیں ہے بلکہ میں صرف سطح کا تعین کر رہا ہوں۔

بد قسمتی یہ ہے کہ آج کل ہمارے ہاں مسلکی خدمات کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دینی اور اسلامی سطح کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک

انسان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا سر نیاز خم کر دے الغرض سب کچھ حکم الہی کے مطابق ہو اور وہ یہی فکر دوسروں تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی ہی نہ کرے وہ اپنے بچوں اور دوستوں سے لے کر پوری دنیا کے کافروں اور ملحدوں تک یہ فکر پہنچانے کی حتی الامکان پوری جدوجہد کرے۔ اور مسلکی دائرہ یہ ہے کہ انسان اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام کے پڑھنے یا نہ پڑھنے پر جھگڑا کرے۔ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے پر مناظرے کرے نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کے جواز و عدم جواز پر مباحثے کرے۔ محافل میلاد کے جائز یا ناجائز ہونے پر الجھتا رہے۔

ہر انسان کی کسی بھی مسلک کے ساتھ وابستگی سر آنکھوں پر اور مسلکی دائرہ میں فکر کی محدودیت بھی مسلم۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں جینا کس سطح پر چاہیے کیا ہمیں پوری زندگی مسلکی مباحث میں کھپا دینی چاہیے یا ہمیں اس سطح سے اوپر اٹھ کر دینی سطح کے کام کو ترجیح دینی چاہیے۔ جو انسان کسی مسلک کے ساتھ مکمل وابستگی کا تعلق رکھتے ہوئے اسلامی سطح پر دین کی خدمت کرتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی فکر صائب ہے اور وہی لوگ عظیم لوگ ہوتے ہیں ہمارے مسلکی جھگڑے عموماً ایسے مسائل پہ مشتمل نہیں ہوتے جو علمی نوعیت کے ہوتے ہیں اور جن کا عوام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انہیں عوام میں لا کر عوام کو الجھا کر انہیں حقیقی دین سے دور کرنے کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

جن لوگوں نے خلق قرآن، رفع یدین، آمین بالجہر اور اسی طرح کے دیگر مسائل میں قوم کو الجھا دیا ہے دراصل انہی لوگوں نے قوم کو حقیقی دین سے دور لے جانے کا جرم کیا ہے۔ ایسے ہی مسائل میں قوم کا الجھنا اور حقیقی دین سے دور ہونا ایک ایسی کر بنا کہ حقیقت ہے کہ جس نے ہر دور میں امت کو بے تحاشا نقصان پہنچایا ہے۔ اور اس کی نظروں سے اس کے اصلی مقصد کو دور کیا ہے مفکر اسلام علامہ اقبال اپنی مشہور نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ میں شیطان کی منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے۔

ابن مریم مر گیا یا زندہ و جاوید ہے

ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات؟

آنے والے سے مسیح نا مری مقصود ہے  
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کی صفات؟  
ہیں کلام اللہ کا الفاظ حادث یا قدیم  
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات  
کیا مسلمان کے لیے کافی نہیں اس دور میں  
یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات و منات  
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں  
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مسائل کے جھگڑوں میں الجھنے کا ہمیں یہ نقصان ہوا کہ ہم حقیقت دین سے غافل  
ہوتے چلے گئے۔ اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں مسلک کی سطح پر کام کرنا ہے یا اسلام کی  
سطح پر؟

جب سے ہمارے دینی کام کا رخ مسلک کی طرف مڑ گیا ہے تو ہماری قوم کا مزاج بڑا  
عجیب و غریب بن گیا ہے یہ اپنے مسلکی مخالفین سے لڑنے کو دین کی سب سے بڑی خدمت  
اور جہاد سمجھتے ہیں لیکن اسلام کے دشمنوں اور دین کے مخالفین کو قائل کرنے یا ان کا مقابلہ کرنے  
کی کوئی منصوبہ بندی انہوں نے کبھی نہیں کی مسلکی اختلافات کو ہم اتنا اوپر لے آئیں ہیں  
اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھنے والا غیر مسلم بھی سوچتا ہوگا کہ میں کس مسلک کو اختیار کروں  
گیا اور ایک نو مسلم جس بھی مسلک کو اختیار کرے دوسرے مسلک والوں کے نزدیک اس کا  
اسلام بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کر کے ان کے مسلک میں نہیں آیا۔

مسلکی اختلاف کی ترجیح نے ہمارا مزاج ایسا بنا دیا ہے کہ ہمیں جہاں نہیں لڑنا چاہیے  
وہاں لڑتے ہیں اور جہاں لڑنا چاہیے وہاں نہیں لڑتے مثلاً مستحب ترک پہ یا کراہت تنزیہی  
کے ارتکاب پر بھی مناظرے ہو جاتے ہیں مثلاً دعا بعد نماز جنازہ کے یا عدم استجاب پر  
بڑے بڑے مباحثے ہوتے رہتے ہیں مستحب کا ترک مکروہ ہوتا ہے۔ یہاں کراہت یا

استجاب پر مباحثے ہوتے رہتے ہیں لیکن سود خور سے کوئی نہیں لڑتا کہ تو سود کیوں کھاتا ہے۔ کسی کا حق مارنے والے سے کوئی نہیں کہتا کہ تو اس کا حق کیوں مار رہا ہے۔ حالانکہ ان منکرات کے خلاف پوری شدت سے مزاحمت کرنے کا حکم ہے۔ مسلکی اختلافات کی ترجیحات اتنی غالب آگئیں ہیں کہ محرمات کا ارتکاب کرنے والے سے کوئی نہیں الجھے گا لیکن میلاد النبی ﷺ کی محافل منعقد نہ کرنے والا کرنے والے سے الجھے گا اور کرنے والا نہ کرنے والے سے الجھے گا

ع ناطقہ سرگرم بیان ہے اس کو کیا کہیے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ

إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

”اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر

ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے لڑو۔

یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔“ (الحجرات: 9)

اس آیه کریمہ میں ایک تو اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ دو لڑنے والی جماعتوں میں صلح

کروادیں اور پھر فرمایا کہ اگر ان میں سے ایک دوسری پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے

والے سے لڑ دیہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔ یعنی زیادتی کرنے

والی جماعت سے لڑنا چاہیے۔ لیکن مستحب و مکروہ کے اختلافات یہ گولیاں چلانے والے صلح

کروانے کو ایک معاشرتی معاملہ سمجھتے ہیں اور ظالم سے لڑنے کو تو ویسے ہی کوئی غیر دینی چیز

خیال کرتے ہیں۔ یہ فکر اس لیے پروان چڑھی کہ ہماری دشمنیاں اور دوستیاں مسلکی سطح تک

رک گئیں ہم انہیں دینی سطح تک جانے سے محروم رہے الا ماشاء اللہ۔

ایک دانشور کا قول کہ جب انسان حقیقی دین کو فراموش کر دیتا ہے تو پھر ایک ایسا دین خود

بنی بنا لیتا ہے جو اس کے ذوق کے عین مطابق ہوتا ہے اور وہ اپنی ساری مذہبی عقیدتیں اسی پر



ڈھیر کر دیتا ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہماری موجودہ روش کہیں اسی کی عکاسی تو نہیں کر رہی؟ ہمارے مسلکی جھگڑوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنی سوچوں کو محدود کر دیا ہے اور ہم مسلکی سطح پر اس طرح جی رہے ہیں کہ ہمیں دینی سطح پر جینے کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ اور اگر کبھی آتا بھی ہے تو مصلحتیں ہمارا گلا دبا دیتیں ہیں۔ اور پھر مسلک دین پر غالب آ جاتا ہے۔

اگر ہر انسان وہ کسی مسلک سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اپنی سوچ کو دین کی سطح تک بلند کر لے تو اس کے پاس مسلکی جھگڑوں کے لیے نہ وقت بچنے گا نہ صلاحیت اور امت باہمی جھگڑوں کی بجائے اپنے مقصد اصلی کے حصول میں گامزن ہو جائے گی اور وحدت و یگانگت کا ایمان افروز منظر نظروں کے سامنے آ جائے گا شرط صرف یہ ہے کہ ہر بندہ یہ طے کر لے کہ میں نے مسلک کے لیے ہی نہیں جینا دین کے لیے جینا ہے۔

چڑیوں کی طرح دانے پہ گرتا ہے کس لیے

پرواز رکھ بلند کہ بن جائے تو عقاب

تکریم انسانیت کا شعور اجاگر کرنا

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ

فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا

أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ: ۳۲)

”جس نے کسی شخص کو کسی قتل کے بدلے یا زمین میں کوئی فساد برپا کیے بغیر قتل کر دیا۔ تو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کی جان بچائی۔“

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے  
 ہوں چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں  
 حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو  
 لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

(اقبال)

قتل و غارت گری اور توہین و تضحیک کی فکر کو پروان چڑھانے میں ایک بنیادی عنصر یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ جب اسلام کی ان تعلیمات کو بھلا دیا جاتا ہے جو اس نے تکریم انسانیت اور احترام آدمیت کے تناظر میں زمانے کو دی ہیں۔ اسلام ہر انسان کا بحیثیت انسان احترام کرنے کا درس دیتا ہے۔ اس کا تعلق کسی بھی مذہب کے ساتھ ہو اور وہ کسی بھی عقیدہ کا حامل ہو۔ یہ حکم عمومی حالات میں ہے اگر اس کے خلاف جہاد ہو رہا ہو تو اس کے احکامات الگ ہوں گے۔ وہ آپ کے خلاف پوری جدوجہد کرے گا اور آپ اس کے خلاف۔

اسلام ایک ذمی کی جان کو بھی جو تحفظ دیتا ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان گرامی سے لگائیے۔ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

من قتل معاهدا فی غیر کنہہ حرم اللہ علیہ الجنة (1)

”جس نے کسی ذمی کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنة وان ریحها یوجد من

مسيرة اربعین عاما (2)

”جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اگرچہ جنت کو خوشبو

چالیس سال کی مسافت تک پائی جاتی ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

من ظلم معاهدا او انتقصه او کلف فوق طاقته او اخذ منه

شیئا بغير طیب نفس فانا حجيجہ يوم القيامة (3)

1۔ الترغیب والترہیب۔ کتاب الہود۔ باب الترہیب من قتل انفس رقم الہدیت ۳۶۰۶

2۔ نفس مصدر۔ رقم الہدیت ۳۶۰۵

3۔ الترغیب والترہیب۔ کتاب الادب۔ باب الترغیب فی انجام الوعد الخ رقم الہدیت ۳۳۲۳

”جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا۔ یا اس کی عیب جوئی کی یا اسے اس کی طاقت سے بڑھکر کوئی حکم دیا۔ یا اس کی رضا مندی کے بغیر اس کی کسی چیز یہ قبضہ کر لیا میں قیامت کے دن اس ذمی کی طرف سے اس مسلمان کے خلاف جھگڑا کروں گا۔“

سوال یہ ہے جب ذمی پر ظلم بھی سخت ممنوع ہے اس کی عیب جوئی سے منع کیا گیا ہے۔ تو مسلکی اختلاف کے سبب کسی مسلمان پر ظلم کرنا، اس کی توہین یا اسے قتل کر دینا آخر کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اسلام کسی انسان کی عزت کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اور کسی انسان کی توہین کو کس قدر ناپسند کرتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگائیے:

عن البراء بن عازب قال قال رسول الله ﷺ الربا اثنا عشر  
و سبعون بابا ادناها مثل اتیان الرجل امه و ان اربى الربا  
استطالة الرجل في عرض اخيه رواه الطبرانی في

الوسط من رواية عمر بن راشد وقد وثق (1)

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے گناہ کے بہتر درجے ہیں سود کا سب سے چھوٹا گناہ ایسے ہے جیسے کوئی بندہ اپنی ماں سے بدکاری کرے اور سود کا سب سے بڑا گناہ ایسے ہے جیسے کوئی اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرے۔“

تصور فرمائیے کہ جس انسان کے دل میں تکریم انسانیت کا یہ شعور زندہ ہو کہ وہ صرف مسلکی اختلاف پر کسی پر پھبتیاں کس سکتا ہے؟ کیا وہ اس کا تمسخر اڑا سکتا ہے؟ چہ جائیکہ کہ نوبت قتل و غارت تک جائے۔

اسلام انسانی جان کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے کہتا ہے

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ  
جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ: 32)

”جس نے کسی شخص کو قتل کے بدلے یا زمین میں کوئی فساد برپا کئے بغیر قتل کر دیا۔ تو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کی جان بچائی۔“

بظاہر اس آیہ کریمہ میں صرف بنی اسرائیل کو دیئے گئے ایک حکم کا ذکر ہے لیکن یہ حکم امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کے لیے بھی ایسے ہی باقی ہے کیونکہ اہل تفسیر کا مسلم قانون ہے کہ اگر قرآن کریم میں پہلی کسی امت کے کسی قانون کا ذکر ہو اور پھر اس کی تردید نہ کی گئی ہو تو وہ حکم امت مسلمہ کے لیے بھی ویسے ہی ہوتا ہے حضرت سلیمان بن علی الربعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن سے پوچھا

هذه الایة لنایا ابا سعید کما کانت لبنی اسرائیل فقال

ای والذی لا اله غیره کما کانت لبنی اسرائیل وما

جعل دماء بنی اسرائیل اکرم علی اللہ من دماءنا (1)

”اے ابو سعید کیا یہ آیت جیسے بنی اسرائیل کے لیے تھی ویسے ہی ہمارے لیے بھی ہے انہوں نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ حکم ہمارے لیے بھی اسی طرح ہی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لیے تھا۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خونوں سے زیادہ عزت والے نہیں ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہانا صرف تین صورتوں میں جائز ہے ایک وہ مسلمان کسی انسان کو قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شادی شدہ مسلمان بدکاری کرے تو اسے سنگسار کر دیا جائے تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اسے ارتداد کی سزا میں قتل کر دیا جائے۔ گویا کسی مسلمان کے لیے کس بھی ذاتی دشمنی کی بنا پر اور کسی بھی مسلکی اختلاف کے سبب کسی مسلمان کو قتل کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ سہل بن ضیف فرماتے ہیں کہ (جب بلوایوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو شہید کرنے کے درپے ہو گئے تو) حضرت عثمان نے اپنے گھر سے جھانکا اور فرمایا۔

انشدکم اللہ اتعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
قال لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث زنی بعد  
احسان او ارتداد بعد اسلام او قتل نفس بغير حق فقتل به  
فو اللہ مازنیت فی جاهلیة ولا فی اسلام ولا ارتدت منذ  
بايعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا قتلت النفس التي  
حرم اللہ فبم تقتلوننی (1)

”میں تمہیں اللہ کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ کسی مسلمان کا خون بہانا صرف تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں جائز ہوتا ہے۔ شادی شدہ کا بدکاری کرنا، اسلام کے بعد مرتد ہو جانا اور کسی جان کو ناحق قتل کرنا (یعنی اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور مستحق قتل کو قتل کرنا بھی حکومت کا کام ہے فرد کا نہیں) اللہ کی قسم! میں نے نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کی نہ اسلام میں اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی میں مرتد نہیں ہوا۔ اور میں نے کسی جان کو ناحق قتل نہیں کیا۔ پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔“

جب اسلام میں ان تین صورتوں کے علاوہ کسی کا قتل حرام اور گناہ کبیرہ ہے تو مسلکی اختلاف پر قتل کیسے جائز ہو سکتا ہے اور وہ بھی گناہ سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ نیکی اور جہاد سمجھتے ہوئے۔ کہیں یہ ایک حرام کو حلال سمجھنے کا جرم تو نہیں؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله و ان

محمدا رسول اللہ فاذا شهدوا ان لا اله الا اللہ و ان  
محمدا رسول اللہ و استقبلوا قبلتنا و اكلوا ذبيحتنا  
وصلوا صلوتنا فقد حرمت علينا دماهم و اموالهم الا  
بحقها لهم ما للمسلمين و عليهم ما عليهم (1)

”مجھے اس وقت تک لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جب تک وہ لَا إِلَهَ إِلَّا  
اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کی گواہی نہ دیں۔ جب وہ توحید و رسالت کی گواہی  
دے دیں۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری نماز  
پڑھیں۔ تو ان کے خون اور مال ہم پر حرام ہیں۔ مگر جب ان کو خون بہانا جائز ہو  
جائے (یعنی مذکورہ تین صورتوں میں) اور ان کے وہی حقوق فرائض ہوں گے جو  
مسلمانوں کے ہوں گے۔“

کہاں انسانی جان کی یہ حرمت و تقدس اور کہاں یہ فکر کہ مزاروں پے جانے والے  
مشرک ہیں انہیں قتل کر دو اور میلا دنہ منانے والے کافر ہیں انہیں جان سے مار دو۔ مسلکی  
اختلافات پر قتل و غارت کو جہاد قرادینا دین کا حلیہ مسخ کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟  
کسی بھی مسلمان کا قتل اللہ تعالیٰ کو کتنا ناپسند ہے اس کا اندازہ ان احادیث مبارکہ سے  
لگائیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

لزوال الدنيا اھون عند اللہ من قتل رجل مسلم (2)

”کہ اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل سے پورا دنیا کا تباہ ہو جانا زیادہ آسان ہے۔“  
امام نسائیؒ نے اسی مقام پر یہ حدیث مبارک بھی درج کی ہے

اول ما يحاسب به العبد الصلوة و اول ما يقضى بين الناس

فی الدما (3)

1- سنن نسائی، کتاب الحارہ بہ تحریم الدم ج ۲ ص ۱۶۰۔ قدیمی کتب خانہ کراچی

3- نفس مصدر

2- نفس مصدر ص ۱۶۲



مفہوم یہ ہے ”کہ (حقوق اللہ میں) سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا اور (حقوق العباد میں) سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔“  
حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے انسانی جان کی عزت و حرمت کو یوں بیان فرمایا

الا ان احرم الايام يومكم هذا الا و ان احرم الشهور  
شهرکم هذا O الا و ان احرم البلد بلدکم هذا الا و ان  
دماءکم و اموالکم حرام علیکم کحرمة يومکم هذا فی  
شهرکم هذا فی بلدکم هذا (1)

”خبردار! آج کا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے یہ مہینہ سب مہینوں سے بڑھ کر عزت والا ہے اور یہ شہر سب شہروں سے زیادہ عزت والا ہے۔ خبردار! تمہارے خون، تمہارے مال ایسے ہی قابل احترام ہیں جیسے اس شہر میں اس مہینہ میں آج کا یہ دن قابل احترام ہے۔“

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے بیت اللہ شریف کو دیکھ کر فرمایا

ما اطبیک و اطبیب ریحک ما اعظمک و اعظم  
حرمتک و الذی نفس محمد بیدہ لحرمة المومن اعظم  
عن اللہ حرمة منک الخ (2)

”تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری فضائیں کتنی پاکیزہ ہیں! تو کس قدر عزت والا ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اللہ کے نزدیک ایک بندہ مومن کی حرمت تیری حرمت سے کہیں زیادہ ہے۔“

1۔ سنن ابن ماجہ۔ ابواب النفن۔ باب حرمة دم المؤمن و مالہ ص ۲۸۲۔ قدیمی کتب خانہ کراچی

2۔ سنن مصدر ص ۲۸۲

کعبہ معظمہ کا احترام ہر مسلمان کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیے لیکن ہمیں یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کا احترام کعبہ سے زیادہ ہے۔  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا

من اشار علی اخیه بحدیلة لعنته الملائكة (1)

”جس نے اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کیا اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔“

کیا تکریم انسانیت کا یہ شعور اجاگر ہو جانے کے بعد مسلکی قتل و غارت اور توہین و تضحیک کا منظر باقی رہ سکتا ہے؟

خون اپنا ہو یا پرایا ہو	نسل آدم کا خون ہوتا ہے
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں	امن عالم کا خون ہوتا ہے
ہم گھروں پہ گریں کہ سرحد پر	روح تعبیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے	زیت فاقوں سے تملاتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے	جنگ کیا مسکوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشنے گی	بھوک اور احتیاج کل دے گی

اختلافات کی آگ بجھ سکتی ہے اگر ہم احترام انسانیت اور بالخصوص احترام مومن کا وہ شعور اپنے دلوں میں زندہ کریں جو اسلام نے اسے عطا کیا ہے۔

اب آدمی کچھ اور ہی ہماری نظر میں ہے  
 جب سے سنا کہ یار لباس بشر میں ہے  
 وہ گنج حسن ہے دل ویراں میں جلوہ گر  
 فضل خدا سے دولت کونین گھر میں ہے

(بیدم وارثی)

## اتحاد کی تاکید اور اختلاف کی مذمت کا شعور

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(آل عمران: ۱۰۳)

”اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقہ بندی نہ کرو۔“

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتَ مِنْهُمْ

فِي شَيْءٍ ؕ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا

يَفْعَلُونَ ﴿۱۰۹﴾ (الانعام)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی کی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ پھر وہ انہیں ان کے افعال کی خبر دے گا۔“

رشتہ دیوار و در تیرا بھی ہے میرا بھی ہے  
 مت جلا اس کو یہ گھر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے  
 کھا گئی کل ناگہاں جس کو سیاست کی صلیب  
 ان میں اک نور نظر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے  
 کیوں لڑیں آپس میں ہم ایک ایک سنگ میل پر  
 اس میں نقصان سفر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

(قتلِ شفاؑی)

امت مسلمہ میں اختلاف کی خلیج کے وسیع سے وسیع تر ہونے کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جیسے نماز اور روزہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے ایسے ہی اس نے ہمیں اتحاد و یگانگت کا بھی حکم دیا ہے جیسے اس نے ہمیں سود اور جھوٹ سے منع کیا ہے ویسے ہی اس نے ہمیں انتشار و افتراق سے بھی بڑی سختی سے منع کیا ہے۔ قرآن و سنت میں بڑی سخت تاکید کے ساتھ ایمان والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اختلاف و انتشار سے بچیں اور اتحاد و اتفاق سے رہیں۔

جو بندہ صرف اپنی شہرت و ناموری یا اپنے مفادات کے حصول کے لیے امت میں اختلاف پیدا کرتا ہے وہ بھی ایک بہت بڑے حرام کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے اور جو بندہ اتحاد و یگانگت کے لیے کوشاں ہے وہ بھی ایک فرض کی ادائیگی میں لگا ہوا ہے۔ امت میں اختلاف پیدا کرنے والے لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے فقط اپنی شہرت و ناموری اور مقاصد مذمومہ کے حصول کے لیے اس امت میں اختلاف کی آگ بھڑکا دی۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی تو وہ اس شنیع جرم کے ارتکاب سے بچ جاتے اور چونکہ محبت الہی کی جوت جگانے کا ایک بڑا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس ہے اس لیے اہل ایمان کو اتحاد اور نعمت الہی کی یاد دہانی کا حکم اکٹھا ہی دیا گیا ارشاد ہوتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران: 103)

”اور سب اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی نہ کرو۔ اور اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو۔ جو تم پر ہوئی ہے جب تم آپس میں دشمن ہو کر تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا تو اس کی نعمت سے تم آپس میں

بھائی بھائی بن گئے۔“

قرآن کریم مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
لَعَلَّكُمْ تُزْحَمُونَ ﴿١٠٣﴾ (الحجرات)

”فقط ایمان والے ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو تم اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

بنائے اتحاد و اخوت

ان آیات میں صرف اتحاد و یکجہتی اور اتفاق و یکگت کا حکم ہی نہیں دیا گیا۔ بلکہ ان بنیادی باتوں کی طرف بھی بڑا واضح اشارہ کیا گیا جو اتحاد کی بنیاد اور اساس کا کام دیتی ہیں۔ ان میں سے چند چیزیں یہ ہیں۔

(i) تقویٰ

اختلاف و انتشار کے بیچ بونے کا گناہ اسی وقت سرزد ہوتا ہے جب ایک انسان کے دل سے خوف خدا نکل جاتا ہے اور اس کے مفادات اور اس کی خواہشات محبت الہی پر غالب آجاتی ہیں اس لیے اتحاد و اتفاق کا حکم دیتے ہوئے تقویٰ کا حکم لازمی دیا گیا ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٤﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(آل عمران: 103)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور

موتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ اور اللہ کی رسی کو مصبوطی سے تھام لو۔ الخ“

جن لوگوں نے اس امت کو تقسیم کر دیا صرف اپنی شہرت و ناموری اور حصول جاہ و منصب کے لیے امت کو فرقوں میں بانٹ دیا اگر انہیں تقویٰ کی دولت نصیب ہوتی اور آخرت کی جو ابدی کا احساس ہوتا تو وہ کبھی بھی اس گناہ عظیم کا ارتکاب نہ کرتے۔ اتحاد کی خوشبو وہاں ہی مہکے گی جہاں تقویٰ و خدا ترسی کے پھول کھلے ہوئے ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی اخوت کا ذکر فرمایا اور انہیں دو بھائیوں میں صلہ کروانے کا حکم دیا تو وہاں بھی فرمایا واتقوا اللہ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یعنی اتحاد کی پہلی بنیاد تقویٰ و خدا ترسی ہے۔

## (ii) قرآن کریم سے گہرا تعلق

اسی مقام پر اللہ تعالیٰ بنائے اتحاد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہاں جبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ سے کیا ہو ا وعدہ بھی مراد لیا جائے گا تو اس کا بیان بھی تو قرآن مجید ہی ہے تو گویا فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو خضر راہ بناؤ حاشیہ جلالین میں ہے

بحبل اللہ ای تمسکوا بالقرآن لقوله عليه السلام القرآن

حبل اللہ المتین لاتنقضی عجائبہ (1)

علامہ ابن کثیر جبل اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

بحبل اللہ یعنی القرآن کما فی حدیث حارث الأعور عن علی مرفوعاً فی صفة القرآن هو حبل اللہ المتین و صراطہ المستقیم ..... عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ هو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض ..... عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا القرآن هو حبل اللہ المتین وهو النور المبين وهو الشفاء النافع عصمة لمن تمسک به و نجاة لمن اتبعه (2)

”یہاں جبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ حارث الاعور نے حدیث روایت



کی ہے وہ قرآن مجید کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور یہی اس کا سیدھا راستہ ہے اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہی چمکتا ہوا نور ہے یہی نفع دینے والی شفاء ہے جو بھی اس سے وابستہ ہوگا وہ محفوظ ہو جائے گا۔ اور جو اس کی پیروی کرے گا نجات پائے گا۔

قرآن کریم سے گہرا تعلق اتحاد و اتفاق کی اساس ہے۔ جب سے عوامی سطح پر قرآن کریم کو صرف حصول برکت کے لیے پڑھا جانے لگا اور علماء تقریر کے شروع میں ایک آیت برکت کے لیے پڑھ کر ساری تقریریں اپنے پاس سے کرنے لگے امت میں اختلاف بڑھتا ہی گیا۔ کبھی ہم نے غور کیا کہ آج جن مسائل کو ہم نے اپنی مباحث کا موضوع بنایا ہوا ہے عملی طور پر جنہیں ہم نے توحید و رسالت سے بڑھ کر اہمیت دے رکھی ہے۔ ان کا قرآن کریم میں کبیں ذکر نہیں کیا گیا۔ رفع یدین آمین بالجہر الصلوۃ عند الاذان اور الذکر بعد الصلوۃ وغیرہم۔ اگر یہ مسائل اتنے ہی اہم ہوتے تو کیا قرآن و سنت میں انہیں وضاحت سے بیان نہ کر دیا جاتا؟

جن مسائل پہ آج فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکائے جا رہے ہیں وہ قرآنی سطح سے بہت نیچے کے مسائل ہیں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں مسائل و احکامات کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں جن کی طرف ہمیں قرآن مجید نے بلایا ہے اگر تقریر و تحریر میں قرآنی فکر کو پھیلایا جائے، قرآنی احکامات کو ترجیح دی جائے۔ تو ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں گے اور ہمارا تعلق جل اللہ سے جڑ جائے گا اور امت اپنے اصل مقصد کی طرف گامزن ہو جائے گی۔ یہ باتیں صرف کرنے کی نہیں اپنے من پہ طاری کرنے کی ہیں۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر  
کنارے سے کبھی اندازہ و طوفان نہیں ہوتا -

### (iii) اصل دین کو قائم کرنا

بعض چیزیں دین کی اصل اور بنیاد ہیں۔ جنہیں عقائد قطعیہ کہا جاسکتا ہے۔ اور بعض چیزیں  
فروعی ہیں۔ مثلاً نماز قائم کرنا قطعی اور اصل ہے اور اس کا طریقہ فروعی ہے شریعت میں اصل  
مقصود اقامت صلوٰۃ ہے طریقہ میں اگر دلیل کی بنیاد پر کوئی اختلاف بھی ہو تو پھر بھی وہ  
اقامت صلوٰۃ کے منافی نہیں ہے اسی لیے ائمہ اربعہ نے قرآن و سنت سے جو طریقہ نماز  
مستنبط کیا اس میں کچھ اختلاف ہے لیکن اس پر امت کا اتفاق ہے کہ چاروں امام برحق ہیں۔  
درود پاک پڑھنا اصل اور قطعی ہے پڑھنے کی کوئی مخصوص ہیئت یا صیغہ ظنی اور فروعی چیزیں  
ہیں۔ قرآن کریم بنائے اتحاد اس چیز کو قرار دیتا ہے کہ اصل دین کی اقامت پر توجہ مرکوز کی  
جائے۔ جب توجہ اصل دین پر مرکوز ہوگی تو فروعی چیزوں میں الجھنا بے وقعت اور وقت کا  
ضیاع محسوس ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

سَرَّعْ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

وَمَا وَضَيْنَا لَهُ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا

تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوری: 13)

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے (حضرت نوح) کو

حکم دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے جس کا حکم ہم نے (حضرت

ابراہیم) (حضرت) موسیٰ کو دیا تھا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔“

جس دین کو قائم کرنے کا حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم

السلام اور حضور اکرم ﷺ کو یکساں طور پر دیا گیا ظاہر ہے اس سے مراد اصل دین ہے جو

تمام انبیاء میں یکساں اور مشترک ہے یہاں تک جزئیات یا فروعات کا تعلق ہے وہ تو ہر

شریعت میں مختلف رہا ہے امام قرطبی رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”اقیموا الدین سے مراد اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت۔ اور ایمان لانا اس کے رسولوں اور اسکی کتابوں پر اور یوم جزا پر اور ان تمام چیزوں پر جن کی اقامت سے آدمی مسلم ہوتا ہے اور یہاں شرائع مقصود نہیں جو امتوں کے احوال پر مبنی مصالح سے تعلق رکھتے ہیں کہ شرائع مختلف اور متفرق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے شریعت اور منہاج الگ الگ مقرر کیا۔

پس اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو اور نوح کو ایک ہی دین کا حکم دیا ہے۔ یعنی وہ اصول جن میں شریعتوں کا اختلاف نہیں اور وہ ہے توحید، صلوٰۃ، زکاۃ اور صالح اعمال کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ اور سچائی اور ایفاء عہد اور امانت کی ادائیگی اور صلہ رحم۔ اور کفر اور قتل اور زنا کو حرام جاننا اور انسانوں کو تکلیف پہنچانا اور حیوانات کو ستانا اور برائیوں میں مبتلا ہونا (ان چیزوں کو حرام جاننا)۔ پس یہ سب دین واحد کی حیثیت سے مشروع ہیں۔ ان میں انبیاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں خواہ ان انبیاء کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو۔ (1)

اگر ہم اس اصل دین پر توجہ مرکوز کر دیں تو کیا یہ فروعی اور جزوی مسائل کے خود ساختہ جھگڑے اپنے آپ ختم نہیں ہوں جائیں گے؟ اس آیہ کریمہ میں ایک واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ بنائے اتحاد فریضہ دین کا احساس ہے۔ اگر امت اس سے غافل ہوگی تو اختلاف و انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ علیہ اس آیہ طیبہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”یہ نصب العین جو انبیاء و رسل کی عظیم البرکات زندگیوں کا نصب العین تھا یہی نصب العین آج امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰات و اجمل التسلیمات کے لیے من جانب اللہ مقرر کیا گیا ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آراء و اہوا کا اتباع کر کے اپنی

جمعیت کو انتشار کا شکار نہ بنادیں اور ایک امت کو متعدد فرقوں میں بانٹ کر بے وقار نہ کر دیں کیونکہ اگر انہوں نے اپنی وحدت اور یکجہتی کو فرقہ بازی کی نظر کر دیا تو پھر اقامت دین کے فریضہ سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔ ان کہ ہوا اکھڑ جائے گی۔ نئے انسانی معاشروں میں اس کو قائم کرنا تو بڑی بات ہے۔ یہاں اس کے اسلاف کی کوششوں کے باعث دین قائم ہو چکا ہے۔ وہاں اس کا باقی رہنا بھی مشکوک ہو جائے گا اور اس کا مشاہدہ ہم اپنے ہاں کر رہے ہیں اس لیے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر متحد و متفق رہنے کی ہدایات دی گئیں ہیں اور حضور سرور عالم ﷺ نے بار بار اپنے ارشادات عالیہ میں حکیمانہ انداز میں ہمیں بے اتفاقی سے ڈرایا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربة الاسلام من عنقه۔ جس نے دانستہ ایک بالشت بھر کے لیے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے گویا اپنے گلے سے اسلام کا رشتہ اتار پھینکا..... (1)

باہمی اختلاف فریضہ اقامت دین سے غافل کرے گا اور اس فریضہ کی ادائیگی کا احساس باہمی انتشار سے بچائے گا اور اصل دین پر توجہ اختلاف سے بچا کر وحدت کی لڑی میں پرودے کی ایسے ہی حسن اخلاق کا مظاہرہ اور ایک دوسرے کی عزت کا احساس بھی اتحاد کی بنیاد اور اساس کی اہمیت رکھتے ہیں۔

### اختلاف و انتشار کے اسباب

قرآن کریم میں اختلاف و انتشار کے اسباب کا تذکرہ بھی فرمایا گیا تاکہ ملت اسلامیہ ان چیزوں سے بچے اور وحدت و یکجہت کو برقرار رکھ سکے۔ قرآن کریم میں اختلاف و انتشار کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں۔

#### (i) عصیان و سرکشی

اہل تصوف کہتے ہیں جزاء الحسنۃ حسنة مثلها و جزاء السنۃ سیئۃ

مثلاً۔ (کہ ہر نیکی کا بدلہ اور نیکی کرنا ہوتا ہے اور ہر گناہ کا بدلہ دوسرا گناہ کرنا ہوتا ہے)۔ یعنی جیسے مادی دنیا کا ضابطہ ہے کہ زہر کھانے سے بندہ مر جاتا ہے آگ میں گھس جانے سے جل جاتا ہے ایسے ہی روحانی دنیا کا ضابطہ ہے کہ ہر نیکی دوسری نیکی کا ذریعہ بنے گی اور ہر بدی دوسری بدی کا ذریعہ بنے گی۔

محض اپنے مفاد یا شہرت و ناموری کے لیے لوگوں میں اختلاف و انتشار کی آگ بھڑکا دینا کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں ہے۔ اس گناہ کی شدتوں کا تصور بھی اہل ایمان کے وجود پر لرزہ طاری کر دیتا ہے اور بدن کے روٹ گئے کھڑے کر دیتا ہے۔ اس گناہ کی قباحتوں کا اندازہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان گرامی ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

الا اخبرکم بأفضل من درجة الصيام و الصلاة و الصدقة

قالو بلی قال اصلاح ذات البین فان فساد ذات البین ہی

الحالقة۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن حبان فی

صحیحہ و قال الترمذی حدیث صحیح (1)

”کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز کے متعلق نہ بتاؤں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بہتر ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا یہ عمل دو لڑے ہوؤں میں صلح کروا دینا ہے اور لوگوں کے درمیان فساد ڈال دینا تو ایمان کو مونڈھ دیتا ہے۔“

اتنا بڑا گناہ ایک انسان یا ایک جماعت کرنے پر کیسے کمر بستہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی قوم گناہ اور سرکشی کا راستہ اختیار کرتی ہے تو پھر ہم اس قوم میں اختلاف و انتشار ڈال دیتے ہیں۔ یعنی لوگوں کی عصیان و سرکشی اس گناہ کا راستہ ہموار کر دیتی ہے۔ جس قوم میں تشتت و افتراق اور اختلاف و انتشار بڑھ رہا ہو اسے اپنے مجموعی

رویہ اور کردار پر غور کرنا چاہیے کیونکہ ایک گناہ کا حوصلہ دیگر گناہوں سے پیدا ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ گناہوں کے سبب اللہ کی طرف سے اختلاف و انتشار کا عذاب آ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِنْهُمُ مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا  
ذُكِّرُوا بِهِ فَأَعْرَبْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ  
وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٥٠﴾ (المائدہ)

”جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔ پس جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ انہوں نے بھلا دیا اور ہم نے قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بتائے گا کہ وہ کیا کچھ بناتے رہے ہیں۔“

یعنی احکامات الہی سے انحراف کے سبب ان پر اختلاف و انتشار کا عذاب مسلط کر دیا گیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ یہود کے تذکرہ میں یہی حقیقت یوں بیان فرمائی گئی

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ  
الشُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٥١﴾ لَوْلَا يُنَبِّئُهُمُ الرَّسُولُ وَ  
الْأَنْبِيَاءُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ الشُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا  
يَفْعَلُونَ ﴿٥٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ عَلَتْ أَيْدِيهِمْ  
وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۚ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ۚ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ  
وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ  
وَلَيُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٥٣﴾ (المائدہ)

”اور آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں زیادہ تر لوگ گناہ زیادتی اور حرام کھانے میں بڑی جلد بازی دکھاتے ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت ہی برا ہے۔ ان کے علماء اور

بزرگ لوگ انہیں گناہ کی باتیں کرنے اور حرام کھانے سے روکتے کیوں نہیں وہ بہت برا کرتے ہیں۔ اور یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بلکہ ہاتھ ان کے بندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اس کی وجہ سے ان پر لعنت ہوئی اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہیں۔ اور وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور آپ ﷺ کی جانب آپ کے پروردگار کے ہاں جو نازل کیا گیا ہے اسے سن کر ان لوگوں کے زیادہ تر افراد کی سرکشی اور کفر میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور ہم نے قیامت کے دن تک ان میں دشمنی اور عداوت ڈال دی ہے۔“ (1)

ان آیات میں غور فرمائیے قرآن کریم نے ایک خبر کے انداز میں کن کن حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے اور امت مسلمہ کو کیا کیا آئینے دکھائے ہیں۔ ان آیات میں بتایا گیا کہ

- ۱۔ کہ ان کی عوام کا گناہ یہ تھا کہ وہ گناہ، سرکشی اور سود خوری میں منہمک ہو چکے تھے۔
- ۲۔ ان کے علماء و زہاد کا گناہ یہ تھا کہ وہ انہیں ان جرائم سے روکتے نہیں تھے۔
- ان گناہوں کے سبب انہیں جو سزائیں دیں گئیں وہ یہ تھیں۔

۱۔ وہ آسمانی کتاب کے حامل ہونے کے باوجود گمراہ ہو گئے اور ”عالمین پر فضیلت“ کا شرف دیئے جانے کے باوجود انہوں نے توحید کا عقیدہ مسخ کرنے کا گناہ عظیم کیا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق کہا کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کفریہ کلمات ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ تھا۔

۲۔ ان گناہوں کی انہیں دوسری سزا یہ دی گئی کہ باوجود نبی کریم ﷺ کو پہچاننے کے وہ آپ پر ایمان لانے کی نعمت سے محروم کر دیئے گئے بلکہ قرآن کریم جو پتھروں کے سینے شق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کا نزول بھی ان کے کفر و سرکشی میں مزید اضافے کا سبب بنا یعنی دریا پہ پہنچ کے بھی ان کی پیاس بجھی نہیں بلکہ اور بھڑکا دی گئی۔

۳۔ گناہ و سرکشی کے سبب انہیں تیسری سزا یہ دی گئی کہ قیامت تک ان میں باہمی بغض اور

عداوت ڈال دی گئی اور وہ اخوت و محبت اور الفت و بھائی چارہ کی نعمت سے محروم کر دیئے گئے۔

قرآن کریم کا یہ مقام ہمیں دعوت دیتا ہے کی جس قوم میں افتراق و انتشار بڑھ رہا ہو اسے اپنے مجموعی رویہ اور کردار پر غور کرنا چاہیے کہیں وہ خدا کی گرفت میں تو نہیں آئے ہوئے؟ تشنت و افتراق اور اختلاف و انتشار کے عذاب الہی ہونے کا تذکرہ ایک مقام پر یوں فرمایا گیا۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا قَاتِلًا فَوَقَّكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ  
أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُزَيِّنَ بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ ۖ أَتُنْظَرُونَ  
كَيْفَ نُصَرِّفُ الْأَيَّاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۖ (انعام)

”آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر عذاب لے آئے چاہے اوپر سے یا تمہارے قدموں تلے سے یا تمہیں کئی گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہیں ایک دوسرے کی لڑائی کا مزا چکھا دے۔“

یعنی عذاب کی صورتیں آندھیاں، طوفان اور زلزلوں وغیرہ میں ہی منحصر نہیں بلکہ کسی قوم میں تشنت و افتراق اور اختلاف و انتشار کی آگ بھڑک اٹھنا بھی اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہی ہوتا ہے۔ انسانوں کی عصیان و سرکشی انہیں اختلاف و انتشار کے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے۔

## ۲۔ باہمی حسد و تعصب

خودداری اور عزت نفس کا تحفظ ہر انسان کی فطرتی خواہش ہے لیکن خودداری اور عزت نفس جب اپنی حد سے آگے گزرتی ہے تو بغض و تعصب کہلاتی ہے۔ ضمیر کو نہ پہچنا خودداری کہلاتا ہے لیکن کسی حق بات کو محض اس لیے ٹھکرا دینا کہ اسے ماننے میں میری توہین ہو جائے گی اور یہ سوچ لینا کہ ٹھیک ہے اس کی بات تو درست ہے لیکن میں اسے اس لیے نہیں مانوں گا کہ یہ بات میرا دشمن کہہ رہا ہے اسی کو بغض و تعصب اور کتمان حق کا نام دیا جاتا ہے۔



انسان خود دار تو ضرور ہوا اپنی عزت نفس کا محافظ بھی ہو لیکن حق کے مقابلہ میں ہر چیز قربان کر دینا ہی شرف انسانیت ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ  
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبال)

جب کوئی قوم خود داری کی حدوں کو تجاوز کر کے بغض و تعصب کے راستوں پر چل نکلتی ہے تو وہ اختلاف و انتشار اور تشنیت و افتراق کا شکار ہو جاتی ہے۔ کتاب حکمت قرآن مجید، گذشتہ قوموں کے اسباب اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے اس نکتہ کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہے کہ جب کوئی قوم حق پرستی چھوڑ کر اپنا پرستی کا راستہ اختیار کر لے ان کا عزت و وقار قبول حق میں رکاوٹ بن جائے تو اس قوم میں فرقے بن جاتے ہیں اور وہاں اختلاف و انتشار کی وبا پھیل جاتی ہے۔

قرآن کریم میں پہلی قوموں کے اسباب اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ ثَهُمُ الْبَيِّنَاتُ  
بُغْيًا بَيْنَهُمْ (البقرہ: 213)

”جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے واضح نشانیاں آجانے کے بعد بھی اس میں اختلاف آپس کی ضد کے باعث کیا۔“

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: 14)  
”علم آجانے کے بعد وہ لوگ صرف آپس کی ضد کے باعث متفرق ہوئے۔“

فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ (الجماعہ: 17)  
”علم آجانے کے بعد انہوں نے محض آپس کی ضد کے باعث اختلاف کیا۔“

قرآن کریم کی یہ آیات اس حقیقت پر واضح دلیل ہیں کہ اختلاف کا ایک بڑا سبب آپس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہوتا ہے مومن کی شان اپنا پرستی نہیں خدا پرستی ہے ورنہ وہ امت

میں اختلاف پھیلانے کا مجرم بن جائے گا۔ علامہ ابن کثیر اس تناظر میں فرماتے ہیں۔

انما كان في مخالفتهم للحق بعد بلوغه اليهم و قيام الحجة

عليهم وما حملهم على ذلك الا البغي و العناد و المشاقفة (1)

”حق پہنچ جانے اور حق پر واضح دلائل قائم ہو جانے کے باوجود انہیں حق کی مخالفت پر صرف بغض، عناد اور تعصب نے مبتلا کر دیا۔“

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں۔

”بتا دیا کہ لوگوں کا راہ حق سے انحراف اور الگ الگ فرقوں کا معرض وجود میں آ جانا

یہ محض بے علمی اور غلط فہمی کے باعث نہیں ہوتا بلکہ اکثر و بیشتر اس انتشار و افتراق کا

باعث ان کا باہمی حسد، عناد اور رقابت ہوا کرتی ہے۔ اپنی برتری کا سکھ جمانے

کے لیے اپنی الگ پارٹی بناتے ہیں اور اس طرح ملت کی وحدت میں نقب لگانے کا

آغاز کرتے ہیں۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس راہ کو وہ چھوڑ رہے ہیں یہی

سیدھی راہ ہے اور جو راستہ وہ اپنا رہے ہیں وہ ان کو اپنی منزل سے دور پھینک دے

گا لیکن اپنی ذاتی اغراض اور اپنی دنیاوی مصلحتیں انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیتی

ہیں وہ جانتے بوجھتے ہوئے غلط راہ پر چل نکلتے ہیں۔“ بغیا بینہم کے الفاظ ہم

سب کے لیے بڑے توجہ طلب ہیں۔“ (2)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں

”یہ ان امتوں کو ملامت ہے کہ انہوں نے علم الہی کی روشنی پانے کے بعد محض اپنی

باہمی ضد و مذاکے باعث آپس میں اختلاف کیا اور گمراہی میں مبتلا ہوئیں۔ اگر

رات کی تاریکی میں کوئی ٹھوکر کھا جائے تو اس کو ایک حد تک معذور قرار دیا جاسکتا

ہے لیکن جو شخص پورے دن کی روشنی میں محض اپنی ضد کے سبب سے ٹھوکر کھاتا ہے

وہ اپنی حماقت کا خود ذمہ دار ہے۔ اس تفرق کی نوعیت سمجھنے کے لیے یہ اشارہ

غالباً یہاں کافی ہوگا کہ یہود کے علماء اور فقہاء میں بالکل اسی طرح کے اختلافات برپا ہوئے جس طرح کے اختلافات ہمارے ہاں برپا ہوئے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس امت کے پاس قرآن محفوظ ہے اس لیے رفع اختلاف کی کوئی موجود ہے۔ لیکن یہود نے تورات بھی ضائع کر دی۔ اس وجہ سے ان کے اختلاف کے رفع ہونے کی کوئی شکل ہی باقی نہ رہی۔“ (1)

قرآن جیسی نعمت موجود ہو لیکن آپس کے ضد اور ہٹ دھرمی سے امت کو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے یہ نعمت قرآن کی بے قدری نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں باہمی اختلاف کے اسباب پر غور کرتے ہوئے ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ کہیں اس میں ہماری ضد اور ہٹ دھرمی کا عنصر تو شامل نہیں؟

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”عہد ماضی میں عوام کی گمراہی کا باعث بعض مرتبہ خود اہل حق کا تعصب بن گیا ہے۔ انہوں نے حق کی حمایت میں ناحق جماعت کو بنظر حقارت و نفرت دیکھا۔ جاہلوں نے صرف ان کی ضد میں اپنے جہل و عناد میں اور تشدد اختیار کر لیا شدہ شدہ یہ وقتی ضد دائمی عقائد بن گئے حتیٰ کہ کلام اللہ کے حدود و قدم کے مباحث میں یہاں تک مبالغہ آمیزیاں ہوئیں کہ جو آواز انسان کے حلقوم سے نکلتی ہے اس کو بھی قدیم کہہ دیا گیا۔ کاش اگر یہ مقابلے اور مناظرے نہ ہوتے تو یہ بے معنی کلمات جو بعد میں عقائد بن گئے شاید کس مجنون کی زبان سے بھی نہ نکلتے۔“ (2)

بعض و تعصب اختلاف پیدا بھی کرتا ہے اور اسے انتہا تک بھی پہنچاتا ہے۔

### ۳۔ قرآن و سنت سے رسمی تعلق

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ مضبوط رسی ہے جو اتحاد و یگانگت کی واحد بنیاد ہے۔ اگر کوئی بھی نیا نظریہ ان کی کوئی پر پرکھا جاتا تو یقیناً امت میں اختلافات پیدا ہی نہ ہوتے۔ اگر

کہیں ان کی مراد متعین کرنے ہیں اختلاف ہو بھی جاتا تو وہ قتل و غارت کا موجب نہ ہوتا بلکہ صرف دلیل کا اختلاف ہوتا۔

جب اپنے بزرگوں یا اساتذہ کی بات کو اصل حکم سمجھ لیا گیا جیسے یہود اپنے علماء و زہاد کی ہر بات غیر مشروط طور پر مانتے تھے جن کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں کہا گیا کہ انہوں نے انہیں اپنا رب بنالیا تھا۔ وہی منظر یہاں پیش آیا۔ اختلافات نہ صرف پیدا ہوتے گئے بلکہ وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔

امت کے پہلے فتنہ سے لیکر آج تک غور کر لیجئے۔ قرآن و سنت سے انحراف کر کے صرف اپنے بزرگوں کی بات کو آگے لانے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ہر شخص یہی کہے کہ میں اس کام کو اس لیے کرتا ہوں کہ یہ میرے بزرگوں کا فرمان ہے۔ اگر تو بزرگ حقیقی معنوں میں وراثت انبیاء کے امین ہوتے تو پھر تو قرآن و سنت کی ہی عملی تصویر ہوتے لیکن جب سے الا ماشاء اللہ بزرگی دینی تجارت بن گئی اور عقیدتیں وہی رہیں جو جنید و بایزید رحمہما اللہ سے ہونی چاہیں تھیں تو امت گروہ در گروہ تقسیم ہوتی گئی۔

مثلاً قادیانیت کا فتنہ صریح آیات اور متواتر احادیث کا انکار تھا لیکن بانی فتنہ کے عقیدت مند محض اس لیے ہر بات مانتے رہے کہ وہ ان کے حضرت صاحب، نے فرمائی تھی۔ اس لیے وہ کفر کی راہ کو بھی اسلام سمجھتے رہے اور دوزخ کی راہ کو بھی جنت کی شاہراہ ہی تصور کرتے رہے۔ نبی کریم ﷺ نے تو ہمیں کتاب و سنت کو لازم پکڑنے کی تاکید فرمائی تھی۔ کیونکہ یہی بنائے اتحاد اور رشد و ہدایت کا اصل منبع ہے۔ حضرت مالک بن انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ

و سنة رسولہ رواہ فی الموطا (1)

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تم جب تک انہیں مضبوطی سے پکڑے

رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول کی سنت (جلا جلالہ وسلم ﷺ)۔“

اہل تصوف نے اپنے مشائخ سے تمام تر عقیدتوں اور محبتوں کے باوجود اسی راستہ کو لازم پکڑا۔ ذرہ بھر اس سے انحراف نہیں کیا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں۔  
 ایں راہ کسے باید کہ کتاب بردست راست گرفته باشد و سنت مصطفیٰ ﷺ بردست  
 چپ و در روشنائی ایں دو شمع مے رود تانہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت (1)  
 ”یہ راہ تو صرف وہی پاسکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں  
 سنت رسول ہو اور وہ ان دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شبہات  
 کے گڑھوں میں گرے نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے۔“  
 شیخ ابو بکر طمستانی فرماتے ہیں۔

الطریق واضح و الکتاب و السنۃ قائم بین اظہرنا (2)

”راستہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے سامنے ہے۔“

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ فرماتے ہیں۔

(مشرّب پیر) حجت نمی شود دلیل از کتاب و حدیث می باید (3)

”پیر کا مسلک حجت نہیں ہوتا دلیل کتاب و سنت سے ہونی چاہیے۔“

اگر عملی طور پر ہی سہی کتاب و سنت کو رسماً مانا جائے اور اپنے بزرگوں کے حکم کو ان پر  
 ترجیح دے دی جائے تو اس فتنوں کی آگ کو کوئی نہیں بجاسکتا ”شخصیت پرستی“ چھوڑ کر ”خدا  
 پرستی“ اور ”حجیت اکابر“ چھوڑ کر ”حجیت رسول ﷺ“ کا راستہ اختیار کر لیا جائے تو امت کو  
 وحدت و اتحاد کی دولت گرا نمایاں مل سکتی ہے۔ ہمارے برصغیر میں اختلافات کا بڑا سبب یہی  
 اکابر پرستی ہے۔ قرآن و سنت کی حجت کو برکت کے لیے ماننا اور اکابرین کی ہر بات کو زندہ

جذبوں سے ماننا اختلاف کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ اور بنائے اتحاد کو کتاب و سنت کا سیدھا اور صاف راستہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک، قبلہ ایک کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیونکر پیدا ہوگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی جواب دیا تھا کہ اے امیر المؤمنین! قرآن ہمارے سامنے اتر رہا ہے۔ ہم تو اسی کے موارد نزول کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر انہیں صحیح طور پر اس کے موارد و مصادر کا علم نہیں ہوگا۔ پھر اس میں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کر دیں گے اور انکل کے تیر چلائیں گے اس لیے ان میں اختلاف ہو جائے گا اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں ہوں گی شروع میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا لیکن غور کرنے کے بعد انہیں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اتفاق رائے کرنا پڑا۔“ (1)

### اختلاف و انتشار کے نتائج

اتحاد و تقویت و طاقت کا نام ہے اور انتشار کمزور و بے بس ہونے اور ناکام و نامراد ہونے کا دوسرا نام ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اتحاد و یگانگت کی اہمیت واضح کرنے کے لیے ہمیں اختلاف و انتشار اور تشتت و افتراق کے ان بھیانک نتائج سے بھی آگاہ فرمایا جن سے کسی بھی منتشر قوم کو واسطہ پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں اختلاف کے چند بھیانک نتائج کا تذکرہ فرمایا گیا ان میں چند ایک یہ ہیں۔

#### (i) لا چاری و بے بسی

پھانسی کا رسہ جو پچاس من سے بھی زائد وزن کھینچنے سے بھی نہیں ٹوٹتا زمین سے اگتا ہے اور نہ ہی آسمان سے گرتا ہے بلکہ نازک اور باریک سے ریشوں سے مل کر بنتا ہے اگر ہر ریشہ الگ ہو جائے تو رسے کے سب ریشے بے وقعت ہو جائیں اور ہوائیں جہاں چاہیں

اسے اڑاتی پھریں گی ہاتھ کی پانچوں انگلیاں اگر الگ الگ ہو جائیں تو کچھ نہیں کر سکتیں لیکن اگر متحد ہو کر ایک مضبوط مکا بن جائیں تو کسی کی جان بھی لے سکتی ہیں۔ قوم اگر متحد ہو تو سیسہ پلائی ہوئی دیواریں بھی اس کی ٹھوکروں سے اڑ جاتی ہیں اور اگر منتشر ہو تو لا چاری اور بے بسی کا نمونہ بن جاتی ہے۔

آبرو باقی تیری ملت کی جمعیت سے تھی  
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

(اقبال)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اختلاف کے اس شدید نقصان کا احساس دلاتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٩﴾ (انفال)

”اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کیا کرو اور آپس میں

جھگڑا مت کرو ورنہ تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اور صبر کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

یعنی اختلاف تمہاری قوت کو پارہ پارہ کر دے گا اور تم نحیف و ناتواں بن کے رہ جاؤ گے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المومن للمومن كالبنیان یشد بعضہ بعضا و شبک بین

اصابعہ متفق علیہ (1)

”مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ دیوار کی ہر اینٹ دوسری

اینٹ کو مستحکم کرتی ہے یہ فرما کر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسری ہاتھ کی

انگلیوں میں ڈالا۔“

کیا ملت کے استحکام کی خاطر ہم باہمی اختلافات بھلا نہیں سکتے؟ کیا ہم ملت اسلامیہ

کے مفادات پر ذاتی مفادات قربان نہیں کر سکتے؟ کیا باہمی اختلافات سے ملت کی کمزوری کا احساس ہمیں درس اتحاد دینے کے لیے کافی نہیں؟

## (ii) مقصد اصلی میں ناکامی کا سبب

اس نکتہ پر تفصیل پہلے ”اصل ذمہ داری کا شدید احساس“ کے ضمن میں گزر چکی ہے یہاں صرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ملت اسلامیہ کا اصل مقصد اور ٹارگٹ پوری دنیا میں اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اپنے گھر سے لیکر عالمی سطح تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ اگر ملت اسلامیہ آپس میں ہی منتشر ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تمام صلاحیتیں ایک دوسرے کو زیر کرنے اور نیچا دکھانے میں کھپ جائیں گی اور اصل فریضہ کو ادا کرنے میں یہ امت ناکام ہو جائے گی۔ یہ ایسے ہی ہو گا کہ جیسے ایک لشکر کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھی جائے۔ وہ لشکر آپس میں ہی لڑ پڑے اور اپنے ہی چند ساتھیوں کو قتل کر کے واپس آجائے۔ جیسے وہ لشکر ناکام و نامراد رہا ہے ایسے ہی اگر ملت اسلامیہ آپس میں ہی الجھی رہے اور اللہ کا دین پوری دنیا تک نہ پہنچائے تو یہ بھی ناکام و نامراد ہو جائے۔ نعوذ باللہ من هذا الخسران

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

وَصَيَّنَّا يَدَهُ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ: 13)

”ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔“

اقامت دین کے بعد تفرقہ بندی سے بچنے کا حکم دینا اسی چیز کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فرقہ بندی کے سبب امت اقامت دین کے فریضہ سے سبکدوش ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔



## (iii) رحمت الہی سے محرومی

تشتت وافتراق اور انتشار و اختلاف قوموں کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے دور کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں اختلاف و انتشار پھیل جائے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
الْبَيِّنَاتُ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۵﴾ (آل عمران)

”ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو واضح نشانیاں آ جانے کے بعد بھی فرقوں میں بٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے اور انہیں لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

یعنی اختلاف قوموں کو عذاب الہی میں گرفتار کر دیتا ہے امام فخر الدین رازی عذاب عظیم کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يعنى الذين تفرقوا لهم عذاب عظيم فى الآخرة بسبب تفرقهم فكان  
ذالك زجرا للمؤمنين عن التفرق (1)

”یعنی جن لوگوں نے اختلاف کیا ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہوگا اور یہی حکم مومنین کو اختلاف کرنے سے منع کرتا ہے۔“

عذاب کا یہ سلسلہ صرف آخرت پر ہی محدود نہیں بلکہ اسی دنیا سے اس عذاب کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ امام عمر بن ابراہیم البقاعی اس مقام پر فرماتے ہیں۔

ای فى الدار الآخرة بعد عذاب الدنيا باختلافهم (2)

”ان کے اختلاف کے سبب دنیا کے عذاب کے بعد ان کے لیے آخرت کا عذاب بھی ہوگا۔“

اختلاف کی رسیا قوموں پر دنیا میں عذاب الہی کی کیا صورتیں ہوتی ہیں اس کا جواب

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الا زہری کے الفاظ میں سنیں وہ فرماتے ہیں۔

”اس عذاب عظیم کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ الحاد و دہریت کے طوفانوں نے ہمارے بنیادی عقائد کے قلعوں میں شکاف ڈال دیئے ہیں۔ اخلاقی انحطاط اور اباحت نے ہمارے معاشرے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اشتراکیت و شیوعیت کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بے حسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ بخارا سمرقند، تاشقند وغیرہ اسلامی مراکز کا روسی کیوزم نے کیا حشر کیا عظیم مساجد، اسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کر دی گئیں۔ وہاں کی مسجدوں کے لیے فلک بوس مینار صدائے اذان کے لیے، مدارس قرآن و سنت کے لیے اور خانقاہوں کے درو دیوار ذکر الہی کے لیے ترس رہے ہیں۔ سارے چراغ گل ہو گئے۔ سارے چشمے خشک ہو گئے۔ اشتراکیت کے گماشتے یہاں بھی اسی المیہ کو دہرانے کے لیے شب و روز مصروف کار ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے گروہی نظریات اتنے عزیز ہیں کہ ہم اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی نظریات کا چمن اجڑاتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یہی عذاب عظیم ہے کسی قوم کے لیے بے حسی اور بے بسی سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش ہم نے ذات پاک حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو ہدف تنقید نہ بنایا ہوتا کاش یار لوگوں کی زبانیں بارگاہ رسالت میں گستاخی سے تو باز رہتیں۔۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

کیا اختلاف کے یہ نقصانات ہمیں محبت و اخوت اور اتحاد و یگانگت کا درس دینے کے لیے کافی نہیں؟

اختلاف و انتشار کی ممانعت

چونکہ اتحاد و یگانگت کسی بھی قوم کے لیے فتح و کامرانی کا دوسرا نام اور اختلاف و انتشار

ذلتوں اور ناکامیوں کی تعبیر دگر ہے۔ امت مسلمہ جسے اللہ تعالیٰ نے خیر امت ہونے کا شرف بخشا ہے۔ کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ وہ خود بھی معروف کے راستوں پر چل کر دارین کی سعادت میں سیٹھ اور پوری دنیا کو بھی خیر کی طرف بلائے اور انہیں شر سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا امید دار ٹھہرائے اگر یہی امت اختلاف و انتشار کی خاردار جھاڑیوں میں الجھ کر رہ جائے تو پھر زمانے کو خیر اور فلاح کا پیغام کون دے گا۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اور نبی کریم ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں بڑی تاکید سے اس امت کو وحدت و یکانیت کا درس دیا۔ اور انہیں اختلاف و انتشار سے بچنے کی بڑی شدت سے تاکید فرمائی۔ تاکہ امت کی وحدت پارہ پارہ نہ ہو۔ اور یہ امت اپنے مقصد اصلی کو کما حقہ پورا کر سکے قرآن و سنت سے چند مقامات ملاحظہ ہوں۔

اختلاف کی ممانعت قرآن کریم کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَلَسْتُ بِكَشِفٍ (انعام: 159)

”بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور متحدہ گردو ہوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ کہ انہوں نے گروہ بندی کر کے اپنے دین کی حقیقت کو نسخ کیا۔ ظاہر ہے اگر یہود و نصاریٰ فرقہ بندی کی وجہ سے مبغوض ہو گئے تو امت مسلمہ میں فرقہ بندی کرنے والا کس قدر مبغوض ہوگا؟ لیکن نبی کریم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کہ یہاں فرقہ بندی کرنے والوں سے مراد اس امت کے اہل بدعت، اہل الشیعات اور اہل الضلالة ہیں۔ (1)

امام فخر الدین رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ان الذین فرقوا دینہم من ہذہ الامۃ ہم اہل البدع و  
الشبہات و اعلم ان المراد من الآیۃ الحث علی ان تكون  
کلمۃ المسلمین و احدۃ و ان لا یتفرقوا فی الدین ولا  
یتبدعوا البدع (1)

”ان الذین فرقوا دینہم سے مراد اس امت کے اہل بدعت اور اہل شبہات  
ہیں۔ جان لے کہ اس آیہ کریمہ سے مراد مسلمانوں کو ایک بات پر متفق ہونے پہ  
ابھارنا ہے اور یہ کہ وہ دین میں فرقہ بندی نہ کریں اور بدعتیں نہ نکالیں۔“  
یعنی اس امت میں فرقہ بندی کرنے والے سے حضور اکرم ﷺ بیزار ہیں امام  
رازی نے اسی مقام پر لکھا ہے انت منہم بری ء وہم منک برآؤ۔ کہ آپ ان سے  
بری الذمہ ہیں اور وہ آپ سے۔ یعنی ان کا کوئی تعلق آپ کے ساتھ نہیں ہے۔  
ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ  
بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٨﴾ (انعام)

”بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر  
نہ چلو۔ وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے اسی بات کی اس نے  
تمہیں تاکید کی ہے تاکہ تم (گناہوں سے) بچتے رہو۔“

یعنی اللہ کا راستہ جو کہ قرآن و سنت کا راستہ ہے وہی محفوظ اور سلامتی کا راستہ ہے اور اسی  
راستے پر چلنے والا جنت تک پہنچتا ہے۔ اس راستے کو چھوڑ کر جو بھی دوسری پگھلڈیوں پر چلے  
گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں۔

خط رسول اللہ ﷺ خطا بیدہ ثم قال هذا سبيل الله  
مستقيما و خط عن يمينه و شماله ثم قال هذه السبل

لِيسَ مِنْهَا سَبِيلٌ اِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُو اِلَيْهِ (1)

”نبی کریم ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا ان راستوں میں سے ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلا رہا ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ نہ خود ہی صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلیں اور نہ ہی دوسروں کو چلائیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اختلاف و انتشار کا شکار ہو جاؤ گے ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٥﴾ (آل عمران)

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے واضح نشانیاں آجانے کے بعد فرقہ بندی کی اور آپس میں اختلاف کیا اور انہیں لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“  
قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فرقہ بندی سے بچنے کا حکم یعنی عذاب کا سبب صرف نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا ہی نہیں بلکہ فرقہ بندی بھی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے عذاب کا سبب ہے۔ یہ پیغام اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو دیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

سَرَّعْ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وُضِيَ بِهِ نُوحًا وَاٰلِهٖٓ اَوْ حٰنَئًا اِلَيْكَ وَمَا  
وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّينَ ۚ وَلَا  
تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ (الشوریٰ: 13)

”اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی تاکید حضرت نوح کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔“

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ

۱۔ فرقہ بندی کرنے والے کا حضور اکرم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ فرقہ بندی کرنے والا ہدایت ربانی سے محروم ہو کر شیطان کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن جاتا ہے۔

۳۔ فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے۔

۴۔ فرقہ بندی سے بچنے کا حکم ہر شریعت میں یکساں رہا ہے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں اختلاف و انتشار کی ممانعت

نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر بڑی شدت سے اختلاف و انتشار کی مذمت فرمائی ہے۔ آپ کا ہر فرمان کسی بھی انسان کو اختلاف پھیلانے سے بچانے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ سوچنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھ موجود ہو۔ آپ کے چند فرامین گرامی ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عرفہ بن شریح فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

فمن رايتموه يريد تفرق امة محمد صلى الله عليه وسلم

وهم جميع فاقتلوه كائنا من كان من الناس (۱)

”تم جس بندے کو دیکھو کہ وہ امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء میں فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے پس اسے قتل کر دو وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔“

(۲) آپ سے ہی مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

رایت النبی ﷺ علی المنبر یخطب الناس فقال انه سیکون

بعدی هنات و هنات فمن رايتموه فارق الجماعة او یريد

یفرق امرامة محمد کائنا من کان فاقتلوه فان ید الله علی

الجماعة فان الشیطان مع من فارق الجماعة یرکض (۲)

”میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے

فرمایا میرے بعد بہت سے فتنے پیدا ہوں گے جسے تم دیکھو کہ وہ جماعت کو چھوڑ کر

الگ ہو رہا ہے یا امت محمدیہ میں فتنہ و فساد پیدا کرنا چاہتا ہے وہ جو بھی ہوا سے قتل کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ جو جماعت سے الگ ہو جائے اس کی لگام شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔“

(۳) حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا

استنصت الناس فقال لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب  
بعضکم رقاب بعض (۱)

”لوگوں کو خاموش کرواؤ آپ نے فرمایا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں اڑانے لگیں۔“

(۴) آپ نے یہ بھی فرمایا

انی مکاتیر بکم الامم فلا تقتلن بعدی (۲)

”میں دوسری امتوں پر تمہاری وجہ سے فخر کروں گا پس تم میرے بعد قتل و غارت نہ کرنے کرنے جانا۔“

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

من اشار علی اخیه بحلیدة لعنته الملائكة (۳)

”جو اپن بھائی کو تلوار سے اشارہ کرتا ہے اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔“

(۶) آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا

تجسسوا ولا تنا فسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا

تدبروا وكونوا عباد الله اخوانا (۴)

1- سنن ابن ماجہ ص ۲۸۲۔ ابواب الفتن باب لا ترجعوا بعدی کفاراً 2- نفس مصدر ص ۲۸۳

3- جامع ترمذی۔ ابواب الفتن باب ماجاء فی اشارۃ الرجل علی اخیه بالسلاح ج ۲ ص ۳۹

4- صحیح مسلم کتاب البر وفضلہ باب تحريم الظن رقم الحدیث ۶۴۱۳

”بدگمانی سے بچو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو۔ لالچ نہ کرو، حسد نہ کرو بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو واللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔“

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا  
ابغض الرجال الى الله الا للخصم (1)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ آدمی ہے جو بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔“

(۸) حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اذا توجه المسلمان بسيفهما فالقاتل والمقتول في النار قال يا

رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه اراد قتل صاحبه (2)

”جب دو مسلمان کواہیں لیے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہو جاتے ہیں۔ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قاتل تو جہنم میں گیا مقتول کا کیا تصور ہے تو آپ نے فرمایا۔ وہ بھی اس کے قتل کا ارادہ کرتا تھا۔“

قرآن و سنت کی روشنی میں اتفاق و اتحاد کے احکامات اور اختلاف و انتشار کی مذمت کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اگر امت مسلمہ ان احکامات کو پیش نظر رکھے تو نہ کوئی فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کا حوصلہ کرے اور نہ جلتی یہ تیل ڈالنے کا۔ اور ہر فرد سمجھ لے کہ صرف نماز و روزہ ہی نیکی نہیں امت میں اتحاد قائم رکھنا بھی بہت بڑی نیکی ہے اور صرف ترک نماز ہی گناہ نہیں امت میں فتنہ و فساد پیدا کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن و سنت کی یہ تعلیمات ہم میں وحدت و یکگت کا شعور پیدا کریں گی جس سے امت کو اتفاق و اتحاد کی دولت نصیب ہوگی۔

1- صحیح بخاری کتاب الاحکام باب اللہ الخصم رقم الحدیث ۱۱۶۸

2- سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۳۰ کتاب الغن باب فی النہی عن القتال فی الغنہ



محبت کا جنوں باقی نہیں ہے  
 مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے  
 صفیں کج، دل پریشان، سجدہ بے ذوق  
 کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

(اقبالؒ)

## چند اہم مباحث

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَأَنَا رَبُّكُمْ  
فَاعْبُدُونِ ﴿١٣﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا

لَمَّا جَعَلْنَاهُ ﴿١٣﴾ (الانبیاء)

”بے شک یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں پس تم  
میری ہی عبادت کرو۔ اور انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا سب ہماری  
ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔“

یہی مقصود فطرت سے بھی رمزِ مسلمانی  
 اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی  
 بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا  
 نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی  
 میان شاخساراں محبت مرغِ چمن کب تک  
 ترے بازو میں ہے پرواز شاہینِ قہستانی

(اقبالؔ)

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد امت کے حوالے سے چند اہم مباحث کا اختصار سے تذکرہ کیا جائے تاکہ موضوع تشنہ تکمیل نہ رہے۔ اس تناظر میں چند اہم امور ملاحظہ ہوں

(i) حدیث اختلاف اور اتحاد امت

حدیث اختلاف امت متعدد طرق سے مروی ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة و تفرقت امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلہم فی النار الا ملة واحدة قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی هذا حدیث حسن غریب مفسر لا فعرفہ مثل هذا الا من هذه الوجه (1)

”بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں ہٹ گئے تھے اور میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ وہ سب دوزخی ہوں گے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا گروہ جنتی ہوگا تو آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلے گا۔“

حضرت معاویہ بن ابوسفیان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

الا من كان قبلکم من اهل الکتاب افترقوا علی ثنتین و سبعین ملة و ان هذه الملة علی ثلاث و سبعین ثنتان و سبعون فی النار و واحد فی الجنة و هی الجماعة (2)

”خبردار! تم سے پہلے لوگ بہتر گروہوں میں بٹ گئے تھے اور یہ امت بہتر گروہوں میں بٹ جائے گی۔ بہتر گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک گروہ جنتی ہوگا اور وہ

1۔ جامع ترمذی۔ ابواب الایمان باب افتراق هذه الامة ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ سعید کنبی کراچی

2۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب شرح السنۃ ج ۲ ص ۷۵ سعید کنبی کراچی

جماعت ہوگا۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

ان بنی اسرائیل تفرقت علی احدى و سبعین فرقة وان

امتی ستفترق علی ثنشین و سبعین فرقة کلها فی النار الا

واحدة وهی الجماعة (1)

”بے شک بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اور میری امت تہتر فرقوں

میں بٹ جائے گی۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے صرف ایک جنتی ہوگا اور وہ

جماعت ہوگی۔“

یہ روایت مذکورہ تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت جابر،

ابو امامۃ، ابن مسعود، علی، عمر و بن عوف، عویمیر، ابودرداء، اور حضرت واثلہ رضوان اللہ علیہم

اجمعین سے بھی مروی ہے۔ (2)

اگرچہ اس حدیث پاک کی بعض اسناد پر کلام کیا گیا ہے لیکن تعدد طرق نے اسے

تقویت دی ہے۔ امام سخاوی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حدیث تفرق الامۃ ابو داؤد الترمذی و قال حسن

صحیح و ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رفعہ۔ افتقرت الیہود

علی احدى او سبعین فرقة و النصاری کذا لک و تفترق

امتی علی ثلاث و سبعین فرقة کلہم فی النار الا واحدة

قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی و هو

عند ابن حبان و الحاکم فی صحیحہما بنحوہ (3)

”حدیث افتراق کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث

1۔ سنن ابن ماجہ۔ ابواب الفتن۔ باب افتراق الامم ج ۲ ص ۲۸۷

2۔ ترجمان السنن ج ۱ ص ۲۳۲ مولانا بدر عالم میرٹھی۔ ادارہ اسلامیات لاہور

3۔ المقاصد الحسینہ ص ۷۲ ادارہ الکتب بیروت

حسن صحیح ہے۔ امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہود اکہتر بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ اور نصاریٰ بھی اسی طریقے سے فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ جنتی گروہ کون سا ہوگا۔ آپ نے فرمایا جو میری اور میرے صحابہ کی پیروی کرے گا۔ اس کو حاکم اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا۔“

اس حدیث کے متعلق علامہ عبدالسلام مبارک پوری نے لکھا ہے کہ افتراق امت والی احادیث بعض صحیح، بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں۔ انہوں نے اس بحث کا نتیجہ یہ نکالا ہے۔

وتحصل ان حدیث افتراق الامة صحیح من غیر شک (۱)

”اس سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ افتراق امت والی حدیث بغیر کسی شک کے صحیح ہے۔“

ایک شبہ ازالہ

اس حدیث مبارک کے مستند ہونے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حدیث اتحاد امت کے منافی ہے یہی وہ قابل غور نکتہ ہے جس کی وجہ سے اس بحث کو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

کہا جاسکتا کہ اتحاد امت کا مطلب تو یہ ہے کہ امت کے مختلف فرقے اور مسلک متحد ہو جائیں اور یہ چیز بھی واضح ہے کہ ہر فرقہ اپنے آپ کو ”ما انا علیہ و اصحابی“ اور ”الجماعت“ کا مصداق سمجھتا ہے۔ تو کہا جاسکا ہے کہ کیا ہم دوزخیوں سے اتحاد کر لیں؟ اور کیا ہم جہنمیوں کے ساتھ مل کر رہیں؟

اس کے متعلق اولیں گزارش یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ کو آخرت پر چھوڑ دیا جائے اور

اس دنیا میں جو بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور وہ ضروریات دین کا منکر نہ ہو تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے اور اس کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ ہی کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں فرقہ سے مراد آپ سے ہر اختلاف رکھنے والا مسلک نہیں ہے ورنہ یہ تعداد تو سینکڑوں سے اب بھی تجاوز ہے اور قیامت تک نہ جانے اس میں کتنا اضافہ ہوگا یہاں فرقہ سے مراد بنیادی اختلاف رکھنے والے فرقے ہیں مثلاً معتزلہ ایک فرقہ ہے جبر یہ ایک فرقہ ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں نہ جانے کتنے ایسے فرقے پیدا ہوئے جن کا نام و نشان بھی اب باقی نہیں اور نہ جانے قیامت تک کتنے اور پیدا ہوں گے۔ مراد یہ ہے کہ دوزخی فرقوں سے مراد لازمی طور پر وہی آپ کے مخالف مسالک نہیں ہیں جن سے آپ کو واسطہ ہے۔ دنیا میں ان کی تعین اور تشخیص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے ہمیں ایک دوسرے کو دوزخی ہونے کا فتویٰ لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا قطعی علم نہیں کہ فلاں فرقہ دوزخی ہے۔ کس کو دوزخ میں بھیجنا ہے اور کس کو جنت میں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا معاملہ ہے اور اس کا علم اسی کے پاس ہے ہمیں اس کو بنیاد بنا کر اختلاف و انتشار کی آگ بھڑکانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اور اس اشکال کا سب سے خوبصورت اور حسین جواب یہ ہے کہ یہاں جنتی فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا عذاب سیدھا جنت میں جائے گا اور باقی فرقے اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں جائیں گے اور حضور اکرم ﷺ کی ساری امت جنت میں جائے گی۔ بشرطیکہ دین کا انکار کر کے وہ امت سے خارج نہ ہو گئے ہوں۔ اس حدیث پاک کی یہ توجیہ امام غزالی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔ مولانا بدر عالم میرٹھی اس تناظر میں فرماتے ہیں۔

”ہمارے نزدیک حدیث کی رائج مراد وہ ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالی نے بیان فرمائی ہے اور جس کو شاہ عبدالعزیز نے جزوی اصلاح کے ساتھ اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ایک فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت

میں جائے گا اور یہ وہ ہوگا جس میں اعتقادی اور عملی کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہو اگر بناء بر بشریت کوئی عملی کمزوری ان سے سرزد بھی ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یا اسے معاف کر دے گی ورنہ قبر اور حشر کے شدائد میں کہیں اس کا حساب مجری کرے گی۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرتے ہیں ان کو اپنے افتراق و تشتت کی سزا بھگتنا پڑے گی اس کے بعد وہ جنت میں چلے جائیں گے آخر کار اس امت کا ہر ہر فرقہ کچھ عذاب پا کر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہو جائے گا یہی مطلب ہو سکتا ہے ابن عمر کی اس روایت کا۔

ما من امة الا و بعضها في النار و بعضها في الجنة الا امتی

فانھا کلھا فی الجنة

”ہر ایک امت کے کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جائیں گے صرف ایک میری امت ہے جو پوری جنت میں جائے گی۔“

یہ حدیث معجم اوسط اور معجم صغیر میں طبرانی نے روایت کی ہے صاحب جمع الفوائد فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں تاہم اس کی مراد وہ ہے جو ہم نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کی ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس امت کے لیے مدار نجات صرف کلمہ توحید ہے اور معصیت موجب عذاب نہیں یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب نہیں ہے مرجیہ کا مذہب ہے صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کو پچشم خود دوزخ میں دیکھا۔ پھر یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ تمام امت بلا عذاب جنت میں داخل ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ ظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ سے وہی فرقہ مراد ہے جس نے سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہے۔ بدعت سے وہ ہمیشہ دور اور نفور رہا۔ اس کے اعتقاد و عمل کے دونوں بازو درست ہیں۔ یہی فرقہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا اور لفظ ”ما انا علیہ و اصحابی“ بھی

زیادہ اسی پر چسپاں ہوتا ہے۔ (1)

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اس تناظر میں فرماتے ہیں۔



عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ستفترق امتی ثلثا وسبعین فرقة کلہم فی النار الا واحدة منهم قیل و من ہم یارسول اللہ قال الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی و ابو داؤد وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت می کند کہ سید الانبیاء سند الاصفیا محمد مصطفیٰ ﷺ فرمودہ کہ امت من از انہما کہ ایمان بمن آورده اند، و بدین اسلام گرویدہ روئے بقبلہ آورده اند، ہفتا دوسہ گروہ شوند، ہر گروہ را اعتقادے دیگر و را ہے دیگر است از انجملہ ہفتاد و دو فرقہ بدوزخ روند و بعلت ضلالت و فساد اعتقاد، شومی عصیاں و بدعت بعد از آتش گرفتار گردند تا قتلکے قادر مطلق خواہد ایشانرا از ازل آلائے شہاد و کثافتہا پاک سازد و بہ بہشت در آرد، و یک گروہ از انہما با آتش در نزد و از جہت عقیدہ صحیح و پیروی راہ راست مستحق عذاب نگرند۔ پرسیدند یارسول اللہ ایں فرقہ کہ بر ہدایت باشند و بدوزخ ورنہ یابند، چہ کسانند۔ فرمود آنہما نیکہ در مذہب و اعتقاد موافق طریقہ من و اصحاب من باشند۔ و اں ہفتاد و دو فرقہ را اہل بدعت و ضلالت و اہل ہوا گویند، و اہل قبلہ نیز نامد و اہل قبلہ را کافر نباید گفت، و خارج از دائرہ اسلام نباید شرد، و مخالفت ایشان با فرقہ ناجیہ در ہمہ جا نیست۔ الا در بعضے مسائل و عقائد کہ در آنجا خطا کردہ و بتاویل و تغیر ظواہر نصوص از جادہ مستقیم منحرف گشتہ اند، و فرق میان کفر و ضلالت بر آنجملہ قیاس باید کرد کہ مثلاً جماعتے بسمت مشرق روئے آورده شند یکے از انہما در حاق وسط راہ بر خط مستقیم کہ اقرب طرق است سلوک نمایند و دیگر اں نیز روئے بمقصد دارند، ولیکن در چپ و راست روند و در جانب جنوب و شمال افتند، گامے چند بزنند باز رجوع بمشرق نمایند و روئے براہ آرند، بعضے بعید، و ہمہ بریں تفاوت از مقصد دور و نزدیک افتند و باشند کہ یکے از ایشان را ہم در راہ آفتے رسد کہ بدال ہلاک گردد کہ آفت در راہ نار است بسیار باشد و دیگرے چنداں دور افتند کہ رجوعش راہ راست معذور کرو، و لا ہمیں قدر کہ نیت مقصد و طلب مقصود دارد۔ آنہما اہل ضلالت اند کہ سالک اند، و لے ہالک و راہ روانند و لے گمراہ جماعتے

دیگر باشند کہ مطلق پشت بمشرق دادہ روئے بسوئے مغرب آرنند و در چچ جائیج وجہ ایشان را روئے بجهت مشرق نیاید و با قاصدان راه مشرق موافقت نیفتد۔ ایں مثال اہل کفرست کہ در قصد و مقصد و طریق متبائن و مخالف دین اسلام اند و اہل ضلالت را نیز اگر چہ گاہے در رفتار پشت بمنزل مقصود افتد و کلین بعد از چند قدم یا چند میل فرخ و منزل بالغامبلغ الی ماشاء اللہ تعالیٰ روئے بقبلہ حقیقت آید و قدم بر جادہ مستقیم افتد۔ شعر

جنگ ہنذا دو دولت ہمہ را عذر نہ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زند (1)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس راستہ کو اختیار کریں گے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب گامزن ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح بتایا ہے۔ (المحدیث)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سید الانبیاء و سند الاصفیاء حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں اس اعتبار سے کہ مجھ پر وہ لوگ ایمان لائے ہیں اور دین اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تہتر فرقے ہو جائیں گے اور گمراہی کے سبب اور عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے اور بدعت کی نحوست کے باعث عذاب نار میں گرفتار ہوں گے۔ جب تک کہ قادر مطلق چاہے کہ ان کو اس آلائش اور کثافت سے پاک کر کے جنت میں داخل کرے اور ان تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ ایسا ہوگا جو دوزخ میں نہیں جائے گا اور اپنی عقیدت کے سبب عذاب کا مستحق نہیں ہوگا۔“ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا۔۔۔ ”یا رسول اللہ ﷺ اس فرقہ میں جو ہدایت پر قائم رہے گا اور دوزخ میں نہیں جائے گا کون لوگ ہوں گے؟“ آپ ﷺ نے

فرمایا کہ ”وہ لوگ ہوں گے جو میرے اصحاب کے مذہب پر اعتقاد پر ہیں گے۔“  
اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہئے

وہ بہتر فرقے اہل بدعت و ضلالت اور نفس کے بندے کہلاتے ہیں اور ان کو اہل قبلہ بھی کہا جاتا ہے۔ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہئے اور نہ ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھنا چاہئے کیونکہ فرقہ ناجیہ سے ان کا اختلاف ہر کہیں اور ہر بات میں نہیں ہے بلکہ محض بعض مسائل و عقائد ایسے ہیں جن میں وہ خطا پر ہیں اور نصوص کے ظاہر کی بنا پر تاویل اور اس میں تبدیلی کر کے جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے ہیں۔

### کفر و ضلالت کی وضاحت

کفر و ضلالت کے درمیان فرق بہت سی باتوں میں سے صرف اس بات پر قیاس کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک جماعت ایسی ہے جو مشرق کی جانب منہ کئے ہوئے ہے۔ ان میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو نیچو نیچے سے ہو کر بخط مستقیم جو قریب ترین راستہ ہے اس کو اختیار کرتا اور اس پر چلتا ہے اور دوسرے فرقے ایسے ہیں کہ ان کا بھی مقصد تو وہی ہے لیکن وہ کسی قدر دائیں بائیں ہو کر چلتے ہیں اور اسی طرح کسی حد تک جنوب یا شمال کی طرف جا پڑتے ہیں۔ چند قدم نہیں چلتے کہ پھر مشرق کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی مجوزہ راہ پر آ جاتے ہیں بعض اس راہ سے قریب اور بعض کسی قدر دور رہتے ہیں لیکن اس فرق کے باوجود مقصد سے کچھ دور یا نزدیک ہوتے ہیں۔ اسی میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر کوئی آفت نازل ہو جائے کہ اس سے وہ فرقہ ہلاک ہو جائے۔ درحقیقت غلط راہ چلنے کی آفتیں نازل ہو جائیں کہ اس سے وہ فرقہ ہلاک ہو جائے۔ درحقیقت غلط راہ چلنے کی آفتیں بہت ہیں۔ دوسرے فرقے بھی اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ ان کا بھی راہ راست کی طرف رجوع کرنا مشکل ہو جاتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ حصول مقصد کی نیت اور مقصد کی طلب اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ یہ سب اہل ضلالت ہیں کہ اگرچہ وہ چلنے والے ہیں لیکن ساتھ ہلاک ہونے والے بھی ہیں اور اگرچہ وہ راہ روکے جائیں گے مگر اصل میں

راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو مشرق کی طرف سے مطلق پشت کئے ہوئے ہیں اور اپنا منہ مغرب کی طرف رکھتے ہیں اور کسی طرح اور کسی وجہ سے بھی اپنا رخ مشرق کی جانب نہیں کرتے، نہ وہ مشرق کی راہ کا قصد رکھنے والوں کے ساتھ موافقت برتتے ہیں یہ مثال اہل کفر کی ہے کہ وہ اپنے قصد میں دین اسلام کے مخالف اور اس سے جدا ہیں۔

اہل ضلالت کی بھی پشت اگرچہ کبھی کبھی منزل مقصود کی طرف ہو جاتی ہے لیکن چند قدم یا چند میل چند فرخ یا چند منزلوں کے بعد بالغاً بالغاً الی ما شاء اللہ تعالیٰ (یعنی جہاں تک اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہے وہاں تک پہنچ جائیں) ان کا رخ حقیقت کے قبلہ کی طرف ہو جاتا ہے اور ان کا قدم سیدھے راستے پر جا پڑتا ہے۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر نہ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زند

”یعنی تہتر فرقوں کے درمیان جو نزاع جاری ہے اس میں ان سب کو معذور سمجھو کیونکہ جب انہیں حقیقت نظر نہیں آتی تو وہ سند کے طور پر اپنے اسلاف کے طرز عمل کو پیش کر دیتے ہیں۔“

حضرت شیخ محدث دہلوی کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ ان کے نزدیک بھی جس فرقے کا فسق کفر کی حد تک نہیں پہنچا وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کے جنت میں جائے گا۔ جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے واضح ہے اور شیخ صاحب سب فرقوں کو کافر نہیں سمجھتے بلکہ ان کی گمراہی کو ان کی معذوری تصور کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پاک ہے۔ حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اهل الجنة عشرون و مائة صف هذه الامة من ذالك

ثمانون صف (1)

”اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی۔“ نبی کریم ﷺ کو جو یہ شرف بخشا گیا کہ آپ کی امت اہل جنت کا دو تہائی ہوگی۔ اور

علامہ ابن کثیر نے اسی مقام پر ایک روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ انتم ثلثنا اهل الجنة تم اہل جنت کے دو ٹکٹ ہو۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر ہر فرقہ دوسرے فرقوں کو ابدی جہنمی ہی سمجھتا رہے گا تو کیا کوئی ایسا فرقہ ہے جو جمع اہل جنت کا دو ٹکٹ بن سکے؟

اس امت کا یہ شرف اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ اس امت کا ہر فرد ان شاء اللہ بالآخر جنت میں ضرور جائے گا۔

یہ حدیث کسی بھی حال میں اتحاد امت سے منع نہیں کرتی۔

(ii) کیا اتحاد کا کوئی مشترکہ فارمولا ممکن ہے؟

گزشتہ صفحات میں اتحاد امت کے تناظر میں جو کچھ بھی معروضات کی گئیں ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کے امت آپس میں قتل و غارت گری سے بچے گی۔ ہر کوئی اپنے عقیدہ اور اپنے مسلک پر قائم رہے گا لیکن ان کی کوششوں اور جدوجہد کا رخ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی طرف نہیں ہوگا بلکہ کفر اور طاغوت کی طرف ہوگا۔ ملت اسلامیہ باہمی جنگ و جدل سے محفوظ ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مشترکہ جدوجہد کرے گی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اتحاد دیگانگت کا کوئی ایسا فارمولا ہو سکتا ہے جس کے تحت مسلکی اختلافات ختم ہو جائیں تمام امت مسلمہ متحد ہو کر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے۔

ہر مومن کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ کاش ایسا ہو سکتا! امت کے تمام مسلکی اختلافات ختم ہو جاتے سب مسلمان ایک ہی مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے۔

تو یہ منظر قابل دید ہوتا۔ لیکن زمینی حقائق یہ کہتے ہیں کہ اتحاد کا کوئی ایسا ایک فارمولا جو سب کے لیے قابل قبول ہو ممکن نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کا ایک مسلک بھی ہوتا ہے۔ اور مسلکی حد بندیوں سے باہر آنا عملی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ ایک بندہ جو اپنے آپ کو بہت زیادہ اعتدال پسند کہتا ہے وہ بھی اپنے مسلک کے خول سے باہر نہیں آ سکتا جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہم مسلک کی حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر دین اور اسلام کی سطح پر کام کرتے

ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ ان کے کام کا زیادہ رخ اسی سطح کی طرف رہا۔ اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ وہ بھی مسلکی خول سے باہر نہیں آ سکے اور جہاں موقع آیا مخالف مسلک کو رگیدتے رہے چونکہ پڑھے لکھے تھے۔ الفاظ کے استعمالات سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے الفاظ محتاط رہے لیکن مسلکی جھلک صاف نظر آتی رہی۔ اس لیے جو بھی امت کے لیے اتحاد کا مشترکہ فارمولا پیش کرے گا وہ آسان اور سادہ الفاظ میں یہی کہے گا کہ سب لوگ میرے مسلک کو قبول کر لیں تو امت میں اتحاد ہو جائے گا۔ مثلاً دیوبندی بریلوی مسالک میں جو اختلافات ہیں اگر دیوبندی مسلک سے وابستہ کوئی صاحب اتحاد کا فارمولا پیش کرتے ہیں تو اس کا لب لباب یہ ہوگا کہ سب بریلوی دیوبندی ہو جائیں اور پھر وہ بریلوی مکتبہ فکر کی کتابوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے وہ حوالے پیش کرے گا جو اس کے مسلک کی تائید کرتے ہوں گے اور پھر کہے گا کہ دیکھو ہم تو ایک ہیں جو ہمارے اکابرین نے کہا وہی ان کے اکابرین بھی کہتے ہیں آؤ ان کو مان لو امت میں اتحاد ہو جائے گا۔ لیکن کیا عملی طور پر واقعی اتحاد ہو جائے گا نہیں یقیناً نہیں۔ بریلوی حضرات ان عبارتوں کی تاویل کریں گے اور بات وہیں کی وہیں رہے گی۔

اگر کوئی بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے صاحب اتحاد امت کا فارمولا پیش کریں گے تو وہ دیگر مسالک کی کتب سے ایسی عبارات لے آئیں گے جو ان کے مسلک کی تائید کرتی ہوں گی اور پھر وہ کہیں گے کہ دیکھو! جو ہم کہتے ہیں وہی ان کے اکابرین بھی کہتے ہیں آؤ ان کو مان لیں تاکہ امت میں اتحاد ہو جائے۔ گویا دیوبندی کہے گا کہ سب دیوبندی ہو جائیں تو امت متحد ہو جائے گی اور بریلوی کہے گا کہ سب بریلوی ہو جائیں تو امت متحد ہو جائے گی ظاہر ہے کہ یہ اتحاد کا فارمولا تو نہ ہوا ایک مذاق ہوا۔ اتحاد کے پیش کیے گئے فارمولے دیکھیں آپ کو اس حقیقت کے ماننے میں کوئی تردد نہیں رہے گا۔ میں انتہائی معذرت سے اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں مولانا شبیر محمد جشیدی اپنی کتاب ”فیصلہ کیجئے“ کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں۔

## حرف آخر۔ دعوت اتفاق و اتحاد

سوال: اب اس وقت ساری دنیا کے مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کیسے ہو سکتا ہے۔

جواب: الحمد للہ عزوجل ہم ساری دنیا کے مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد چاہتے ہیں۔

رائیونڈ کی دیوبندی تبلیغی جماعت کی خدمت میں درد بھری گزارش

اگر آپ واقعی تبلیغ کر کے اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں اور امت کو جوڑنا چاہتے ہیں تو فوری طور پر تحریر اس بات کا اعلان کر دیں کہ رائیونڈ کی تبلیغی جماعت کا ”دیوبندی مولویوں“ سے یا ”دادالعلوم دیوبند“ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور آج ہی سے امام اہل سنت مجدد دین و ملت، الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الفاضل بریلوی شریف کے ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ کے مطابق تبلیغ شروع کر دیجئے تو پھر ہم سب اور پوری دنیا کے مسلمان آپ کے ساتھ اتفاق و اتحاد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ (1)

اتحاد امت کے لیے پیش کیا گیا ہر فارمولہ کم و بیش اسی فکر کی عکاسی کرتا ہے۔

## (iii) الفاظ کے گورکھ دھندے اور اتحاد امت

ایسے ہی خوبصورت اور دلکش الفاظ بھی عملی طور پر اتحاد امت کے قیام میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے مثلاً اتحاد امت کا فارمولہ دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ہر مسلک نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم کرے گا بظاہر تو یہ بڑی خوبصورت بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس کا کوئی عملی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ کون کلمہ گو ہے جو اصولی طور پر تعظیم و تکریم رسالت کا منکر ہوگا اور کسی بھی مسلمان پر یہ بات واقعی واضح ہو جائے کہ فلاں بندہ نبی کریم ﷺ کا گستاخ ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان بھی اسے مسلمان سمجھے گا۔ جھگڑا اس پر نہیں ہوتا کہ تعظیم رسالت کرنی ہے یا نہیں اختلاف اس پہ ہوتا ہے کہ یہ جملہ توہین رسالت پہ مبنی ہے یا نہیں بیسیوں سال گزر گئے عبارات پر مناظرے جاری ہیں کہ یہ عبارت توہین رسالت پر مبنی ہے یا نہیں۔ ایسا فیصل کہاں سے آئے گا جس کا فیصلہ ہر کسی کو قبول ہو۔ اس لیے عملی طور پر ایسے

حسین و جمیل جملے کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے۔

ایسے ہی یہ کہا جائے کہ ہر مسلک صحابہ و اہل بیت کا احترام کرے گا۔ اصولی طور پر اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوگا اختلاف اس وقت ہوگا جب ایک فرد ایک ذات کو صحابی مانتا ہے اور دوسرا مانتا نہیں۔ اور تعظیم و تکریم کی حد بندی کیا ہوگی؟ ممکن ہے ایک مسلک کے نزدیک ایک چیز تعظیم ہو اور دوسرے کے نزدیک شرک ہو۔ اس حد بندی کا تعین کون کرے گا۔ اس لیے عملی طور پر یہ اصول بھی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکے گا۔

اگر کہا جائے کہ ان مسالک کا فیصلہ کرنے کے لیے فلاں متفق علیہ بزرگ کو فیصلہ مان لیتے ہیں ظاہر ہے بزرگ کوئی عصر حاضر کی شخصیت تو نہیں ہوگی کوئی گزری ہوئی شخصیت ہی ہوگی۔ پھر ان کے کلام کی تاویلیں شروع ہو جائیں گی۔ ہر مسلک انہیں کے کلام کو اپنے مسلک کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گا اور ان کے کلام کی کوئی ایسی تاویل کرے گا جو اس کے مسلک کے مطابق ہوگی اور بات وہیں پہنچے گی جہاں سے چلی تھی مثلاً دیوبندی اور بریلوی حضرات میں بنی کریم ﷺ کو ”یا رسول اللہ“ کے الفاظ سے پکارنے پر اختلاف ہے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی دونوں مسالک کے متفقہ بزرگ ہیں اور حاجی صاحب کے کلام میں کئی جگہ پر حضور اکرم ﷺ کو ”یا رسول اللہ“ کے الفاظ سے پکارا گیا ہے مثلاً حاجی صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ  
مجھے دیدار تک اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ  
اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے  
مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسول اللہ  
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں  
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ (۱)



اس مقام پر تقریباً چالیس مرتبہ حضور اکرم ﷺ کو یا رسول اللہ یا ”یا رسول“ سے خطاب کیا گیا ہے۔

ایسے ہی حاجی صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ ”آنحضرت ﷺ کی زیارت کا طریقہ“۔

عشاء کی نماز کے بعد پوری پاکی سے نئے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر ادب سے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور خدا کی درگاہ میں جمال مبارک آنحضرت ﷺ کی زیارت حاصل ہونے کی دعا کرے اور دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے آنحضرت ﷺ کی صورت کا سفید شفاف کپڑے اور سبز پگڑی اور منور چہرہ کے ساتھ تصور کرے اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کی داہنے اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ کی بائیں اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ کی ضرب دل پر لگائے الخ۔ (۱)

ایک مسلم بزرگ سے ”یا رسول اللہ“ کی ندا ثابت ہو جانے کے بعد کیا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا؟ کیا اختلاف ختم ہو جائے گا؟ تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ بریلوی حضرات اس سے اپنا موقف ثابت کریں گے اور دیوبندی حضرات اسے ”شوق“ یا مخصوص کیفیت پر محمول کریں گے اور بات وہیں پہنچ جائے گی جہاں سے چلی تھی اور یہ بات ہر اس انسان کو نظر آتی ہے جو آنکھ رکھتا ہے اور ہر اس انسان کو سنائی دیتی ہے جو کان رکھتا ہے۔

الغرض اتحاد امت کا کوئی ایسا فارمولا جو سب کے لیے قابل قبول ہو اور جس کے مطابق تمام مسالک ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے لگیں عملی طور پر ممکن نہیں ہے! اگر کوئی صاحب اتحاد سے ادغام اور انضمام مراد لیکر کوئی فارمولا پیش کریں تو ان کے خلوص میں شک کرنے کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں لیکن عملی طور پر یہ سوائے خوش فہمی کے اور کچھ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص قدرت کا اظہار فرما کے ایسا کر دے تو وہ قادر مطلق ہے اور یہ ہم سب کے لیے انتہائی خوشی و مسرت کا مقام ہوگا لیکن بشری استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے

زمینی حقائق یہ کہتے ہیں کہ تمام اختلاف مٹا کر انہیں یکجا کر دینے والا فارمولا ممکن نہیں ہے۔ اگر اتحاد امت سے مراد یہ لی جائے کہ ہر کوئی اپنے اپنے مسلک پر قائم رہے۔ علمی گفتگو اور مذاکرہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بہتر ہے۔ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے۔ اپنی کوششیں آپس میں صرف کرنے کی بجائے کفر اور طاغوت کے خلاف استعمال کی جائیں اور امت مسلمہ کو اپنی اجتماعی ذمہ داری نبھانے کی طرف متوجہ کیا جائے اور وہ اپنی کوششیں آپس میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں صرف نہ کرتے رہیں بلکہ اپنی اصل ذمہ داری نبھانے میں صرف کریں۔ یعنی مسلمانوں میں اسلام کا حقیقی شعور جاگر کرنا اور پوری دنیا کے غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا۔ ایسا اتحاد نہ صرف فکری طور پر ممکن ہے بلکہ عملی طور پر بھی ممکن ہے۔ اس کے کچھ پہلو تو آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب میں ایک اور چیز پیش کرنا چاہتا ہوں۔

راقم الحروف نے اپنی ایک کتاب ”امت مسلمہ کا عروج و زوال اسباب و وجوہات تدارک“ میں زوال کا ایک سبب فرقہ پرستی کو قرار دیا ہے اس بحث کے آخر میں فرقہ پرستی سے چھٹکارا پانے کے لیے چند تجاویز پیش کی ہیں موضوع کی مناسبت سے وہ گزارشات یہاں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ علم کو فروغ دیا جائے تاکہ مکروہ کو حرام کا درجہ نہ دیا جائے اور مستحب کو فرض سے بڑھ کر حیثیت نہ دی جائے۔ ہر حکم کو اس کے مقام پر رکھا جائے اور علم سے ہی وسعت نظری پیدا ہوئی ہے اور رواداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ کوئی بھی مسلک اپنے مقتداء کو معصوم نہ سمجھے اور عصمت کو صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہی خاص رکھا جائے اگر اہل شیعہ اپنے اماموں کو معصوم مانتے ہیں تو یہ ان کا اپنا نقطہ نظر ہے تاہم ائمہ کرام کے علاوہ دوسرے رہبروں اور مقتداؤں کو وہ بھی ائمہ کی طرف معصوم نہ سمجھیں۔ اسی سے مسلکی تعصب سے اوپر اٹھ کر اسلامی اخوت و روا۔ داری کو فروغ دینے کی فضا ہموار ہوگی۔

۳۔ افراد کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ مفادات کو حق پر قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کریں تعصب اور مفادات سے بچنا اور حق کے آگے جھکنا یہ تزکیہ نفس کے سبب ہی ممکن ہے اور تزکیہ نفس حصول کی عملی شکل ہی تصوف کہلاتی ہے تعلیمات تصوف سے روشناسی اور ان کا فروغ بہت ضروری ہے۔ تعلیمی مدارس اور مراکز میں تصوف کو بطور لازمی مضمون شامل کیا جائے۔

۴۔ اختلاف کی نوعیت کو سمجھا جائے۔ جب اصول میں اتحاد ہو تو ان پر اتفاق کیا جائے اور جزئیات کو باعث نزاع نہ بنایا جائے کیونکہ عالم کفر یہ نہیں سوچتا کہ یہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا ہے یا ہاتھ باندھ کر۔ کھڑا ہو کے درود پڑھتا ہے یا بیٹھ کے اور میلاد مناتا ہے یا نہیں وہ صرف یہ سوچتا ہے کہ یہ کلمہ گو ہے یا نہیں۔ مسلکی اختلاف کو ان کے مقام پہ رکھ کے اصولیات پر بھرپور توجہ دی جائے اور اسے بنائے اتحاد بنایا جائے اور دعوت و ارشاد کا رخ زیادہ سے زیادہ اصولیات کی طرف پھیرا جائے۔

۵۔ امت مسلمہ کے اتحاد کی بنا کوئی علاقہ، زبان یا رنگ و نسل کو نہیں بنانا چاہیے بلکہ اتحاد اسلام کی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی  
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گذر

اگر ہم ان باتوں کو اپنائیں تو امید ہے فرقہ پرستی کے عفریت سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ (۱)  
خلاصہ کلام یہ ہے کہ ادغام و انضمام کا کوئی بھی فارمولہ عملی طور پر ممکن نظر نہیں آتا۔ البتہ اتحاد امت کے لیے اگر اس فکر کو فروغ دیا جائے تو امت اختلاف و انتشار سے بچ سکتی ہے اور اپنی کوششیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی بجائے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔ اور اللہ کا دین روئے زمین پر پھیلانے کا فریضہ ادا کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

## (iv) کیا اختلافات صرف مسلکی ہیں؟

کہا جاسکتا ہے اور یہ حقیقت ہے بھی ناقابل انکار کہ امت مسلمہ میں اختلافات صرف مسلکی ہی نہیں بلکہ سیاسی بھی ہیں، لسانی بھی اور جغرافیائی بھی۔ تو صرف مسلکی اختلافات کو ہی اتنا اچھالنا اور انہیں زوال امت کا ایک بہت بڑا سبب قرار دینا کیا مذہبی قیادت پر بے جا تنقید تو نہیں؟

جواباً گزارش یہ ہے کہ یہ بات بالکل مسلم ہے کہ امت میں بے شمار قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سیاسی بھی ہیں اور علاقائی بھی، لسانی بھی ہیں اور قومی بھی۔ ایک ملک کے مختلف صوبوں میں محض صوبائی اختلافات ہی جنم نہیں لیتے بلکہ کہیں عرب و عجم میں نفرتیں پروان چڑھتی ہیں اور تقسیم در تقسیم عرب آپس میں اختلافات کو ہوا دیتے ہیں اور عجم آپس میں۔ ان اختلافات کی ایک ہلکی سی جھلک مفتی محمد خلیل الرحمن قادری کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں۔

”آج عرب ممالک کے مابین بھی واضح تفریق قائم ہو چکی ہے کچھ عرب ممالک سیاسی اعتبار سے بکے پھل کی طرح امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جھولی میں گر چکے ہیں جب کہ بعض دیگر جیسے کیسے بھی ہیں ان طاغوتی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں۔ خلیج کی جنگ نے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا تھا اہل عرب کے مابین محاذ آرائی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مجھے طرابلس میں لیبیا کے صدر قذافی کی دعوت پر منعقد ہونے والی مسلمان دانشوروں کی عالمی کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا تھا جس میں اس شق پر گھنٹوں بحث ہوتی رہی کہ سعودی عرب کو امریکہ دوستی کا مزہ چکھانے کے لیے عمرہ اور حج کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا جائے۔ جب اسی فورم پر کسی نے مسئلہ کشمیر کی بات کی تو کئی عرب دانشوروں نے اس موقف کا برملا اظہار کیا کہ یہ ایک علاقائی مسئلہ ہے اور امت کے مشترکہ معاملات میں سے نہیں ہے۔ (1)

۱۔ مضمون، اتحاد امت کے بنیادی تقاضے بحوالہ امت مسلمہ عبرتناک حال تانناک مستقبل، ص ۷۰۔ عالمی دعوت

امت میں اختلافات ہر قسم کے ہیں پاکستان مسلکی اختلافات کے سبب نہیں ٹوٹا تھا سیاسی اختلافات کے سبب ٹوٹا تھا۔ آج پاکستان کو بے تحاشا نقصان سیاستدان پہنچا رہے ہیں۔ مسلکی اختلافات حکومتوں کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ امریکہ کی گود میں بیٹھنے والی مسلم حکومتیں مسلکی وابستگی سے امریکہ کی گود میں بیٹھ کر اپنے ملک گروی نہیں رکھتیں بلکہ سیاسی مفادات کے لیے ایسے ذلیل ترین فیصلے کرتی ہیں تو اختلافات کا الزام صرف علماء پر لگا دینا اور اک حقیقت کا خون بہانا ہے لیکن اس تناظر میں ان سب حقائق کے باوجود ہمیں دو باتیں کبھی اور کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنی چاہیں۔

پہلی بات یہ کہ دیگر جتنے بھی اختلافات ہوتے ہیں وہ دنیا داری سمجھ کے کیے جاتے ہیں عبادت سمجھ کے نہیں اگرچہ وہ بھی ”ملکی مفاد“ اور عوامی بہبود“ جیسے الفاظ بولتے رہتے ہیں لیکن معروف معنوں میں وہ اسے جنت کے ٹکٹ خریدنے کے مترادف نہیں سمجھتے۔ جب کہ مسلکی اختلافات تو کئے ہی نجات اخروی کے حصول کے لیے جاتے ہیں۔ اور بندہ انتہائی اخلاص سے یہ سمجھتا ہے کہ میں یہ سب کچھ دین کی بقاء کے لیے کر رہا ہوں۔ چونکہ دیگر اختلافات اور مسلکی اختلافات مختلف ہوتے ہیں اس لیے انہیں ایک دوسرے پر قیاس کرنا غلط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کو وحدت کی لڑی میں پرونے والا نہ کوئی مخصوص خطہ ہے نہ کوئی مخصوص زبان اور رنگ ہے۔ بلکہ ان مختلف خطوں، متنوع زبانوں اور مختلف علاقوں کے بسنے والے انسانوں کو وحدت کی لڑی میں پرونے والا اسلام اور صرف اسلام ہے۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے اس پہ غور کرنا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جب سے مسلکی اختلافات کے جنون میں اصحاب منبر و محراب سارا زور مسلکی مویشگافیوں پر ہی لگانے لگے تو اسلام کی حقیقی تعلیمات، اخوت، رواداری، امانت، دیانت، وحدت امت، اور تقاضا ہائے عبدیت نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ ہم نے کتنے خطبے دیئے وحدت امت پر، کتنی تقاریر کیں امتیازات رنگ و نسل کی نفی پر، کتنے جلسے کیے اسلام کے معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی نظام کو سمجھانے کے لیے۔ کتنی کانفرنسیں کیں اسلامی نظریہ اخوت کا درس دینے کے لیے۔

کہیں سارا زور مسلکی دائرہ میں صرف ہو جانے کے سبب ہی قوم متاع کردار سے محروم تو نہیں ہوئی؟ علماء ہی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں ایک دوسرے پر کچھڑا چھالنے کی بجائے اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا زندہ قوموں کا شیوہ ہوتا ہے۔

شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا

اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

اگر اسلام کی حقیقی تعلیمات کو اجاگر کرنے کا فریضہ جذبوں کے ساتھ ادا کیا جاتا تو شاید حالات مختلف ہوتے۔ علامہ اقبالؒ نے کتنی سچی بات کہی تھی۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا

مسائل نظر میں الجھ گیا ہے خطیب

بجا ک ۲ اختلافات صرف مسلکی نہیں ہر نوع کے ہیں لیکن اصحاب منبر و محراب کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں ہی ﷺ کیونکہ یہی انبیاء کرام کے وارث ہیں۔

(۷) لزوم کفر اور التزام کفر

اتحاد امت پر بحث اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک لزوم کفر اور التزام کفر کا فرق اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے اور اختلاف و انتشار کی آگ اس وقت تک بھڑکتی رہے گی جب تک عملی طور پر اس کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائے گا کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق کس پر کافر کا فتویٰ لگانے کے لیے صرف لزوم کفر کافی نہیں۔ بلکہ التزام کفر بھی شرط ہے لزوم کفر سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی ایسے قول، عمل یا عقیدہ کا مرتکب ہو جو اسلامی تعلیمات کے مطابق کفر ہو۔ لیکن صرف اسی بنا پر اسے کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ ممکن ہے اسے اس حقیقت کا علم ہی نہ ہو یا اس نے اپنی معلومات کی بنا پر ایسا ہی سمجھا ہو۔ اب اسے سمجھایا جائے گا کہ تیرا یہ قول، عمل یا عقیدہ کفر ہے۔ اگر وہ اسے کفریہ چیز سمجھ کر بھی اس پر ڈنارہتا ہے تو اب اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔ مثلاً ایک انسان نے صراط الذین انعمت علیہم میں انعمت علیہم پڑھا تو ظاہر ہے یہ کفریہ کلمہ ہے لیکن صرف ایسا پڑھ لینے سے ہی وہ

کافر نہیں ہوگا کیونکہ ممکن ہے اس نے غور ہی نہ کیا ہو۔ یا کسی اور سبب سے غلطی کر رہا ہو۔ اب اسے سمجھایا جائے گا کہ تو قرآن کریم کی قرأت میں ایک ایسی غلطی کر رہا ہے جو کفر کو مستلزم ہے وہ کہے کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ قرآن میں انعمت ہی ہے لیکن میں انعمت ہی پڑھوں گا تو اب وہ کافر ہو جائے گا۔ یعنی کفریہ قول، عمل یا عقیدہ کا حامل اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک اسے سمجھایا نہ جائے۔ اور وہ سمجھنے کے باوجود اس پر قائم نہ رہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”باید دانست کہ التزام کفر آن است کہ شخص مدلول نص را مدلول نص دانست و حکم شرعی را حکم شرعی فہمیدہ انکار نماید و گوید کہ ہر چند ایں حکم حکم شارع است اما من این معنی را قبول ندارم و لزوم کفر آنست کہ بسبب جمل و نادانی یا تاویل کفر بر اول لازم آید پس التزام کفر بسبب تکفیر است یعنی کسے کہ دانستہ کفر را بر سر خود قبول کند اورا کافر گفتہ می شود و لزوم کفر بسبب تکفیر نے باشد لہذا محققین از فقہاء بعد ذکر کلمات کفر جہل متکلم را از عزرات شمرده اند مراد فقہاء از قول او شان یکفر آنست کہ فعل فعل الکفر نہ آں کہ اورا کافر گفتہ شود“۔ (1)

”معلوم ہونا چاہیے کہ التزام کفر یہ ہے کہ ایک شخص نص کے مدلول کو نص کا مدلول سمجھتے ہوئے اور حکم شرعی کو حکم شرعی مانتے ہوئے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں یہ شارع علیہ السلام کا حکم ہے لیکن میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ لزوم کفر یہ ہے کہ جہالت اور نادانی کے باعث غلط تاویل کی وجہ سے اس پر کفر لازم آتا ہے۔ پس التزام کفر سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ لزوم کفر سے اس پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے فقہاء نے کلمات کفر ذکر کرنے کے بعد متکلم کے جہل کو عذر شمار کیا ہے باقی جن فقہاء نے یکفر لکھ دیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے کفر والا کام کیا ہے۔ نہ یہ کہ وہ کافر ہو گیا ہے۔“

لزوم کفر اور التزام کفر کے اس فرق کے واضح ہو جانے کے بعد غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف مسالک جو ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتویٰ لگاتے ہیں کہ فلاں کافر ہے اور فلاں مشرک، کیا انہوں نے اپنے مخالف فرقے کے ہر فرد پر حق کو واضح کیا ہے؟ اگر دوسرے فرقے میں کوئی ایسی چیز پائی بھی جاتی ہو جو واقعی کفریہ ہو تو یہ تو لزوم کفر ہوا کیا اس پر حق واضح ہوا؟ کیا اس پر نص کا مدلول واضح ہو گیا؟ کیا اس نے حکم شرعی کو حکم شرعی سمجھ لیا اور پھر اس کا انکار کیا؟

کسی کو کافر و مشرک کہنے سے پہلے ہمیں ٹھنڈے دل سے ان سوالات پر غور کرنا چاہیے۔ اور یہ چیز بھی بہت زیادہ قابل توجہ ہے کہ آخرت پر یقین کرنے والا اور اپنی نجات کے لیے اسلام قبول کرنے والا کوئی بھی شخص ہو کسی نص کے مدلول کو نص کا مدلول سمجھتے ہوئے اور حکم شرعی کو حکم شرعی سمجھتے ہوئے اس کا انکار کر دے؟ استثنائی صورتوں میں اس کی کچھ مثالیں تو پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن کسی پورے مسلک پر اس کو منطبق کرنا۔ اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ممکن ہے التزام کفر کر دینے کے بعد بھی اس نے مدلول نص کو مدلول نص سمجھا ہی نہ ہو اور وہ اس کی کوئی تاویل کر رہا ہو اگرچہ فاسد ہی ہو۔ اس صورت میں دوسرے کے نزدیک تو وہ کافر ضرور ہوگا لیکن عند اللہ بھی وہ کافر ہے یا نہیں اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اگر کسی پر کفر و شرک کا فتویٰ لگاتے ہوئے یہ فرق ملحوظ خاطر رہے تو صورت حال بالکل ہی مختلف ہوگی۔ ہمیں یہ حقیقت کبھی اور کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ عقیدہ، عملی یا قول کا کفر یہ ہونا اور بات ہے اور ان کے حامل کا کافر ہونا اور بات ہے کیونکہ کسی کو کافر کہنے کے لیے لزوم کفر کے علاوہ التزام کفر بھی شرط ہے اور نص کا مدلول واضح ہونا بھی شرط ہے۔

### (vi) احتمالات کفر اور فتاویٰ کفر

اسلام اپنے ماننے والوں کو حسن ظن کی تلقین کرتا ہے۔ اگر کوئی انسان کسی ایسے کام کا ارتکاب کرتا ہے جس میں کچھ پہلو کفر کے بھی ممکن ہوں اور کچھ اسلام کے۔ تو اس وقت تک



اس کے اس کام کو اسلام پر ہی محمول کیا جائے گا جب تک وہ صراحتہ کفریہ پہلو کا اقرار نہ کرے اور وہاں اسلام کا کوئی ایک پہلو مراد لینا بھی ممکن ہو۔  
حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اس تناظر میں فرماتے ہیں۔

وفی الفتاوی الصغری الکفر شیء عظیم فلا اجعل المومن  
کافر متی وجدت رواية انه لا یکفر۔ انتھی۔ وفي الخلاصة  
وغیره اذا كان فى المسئلة وجوه تو جب الکفر و وجه  
واحد يمنع التكفير فعلى المفتی ان یمیل الى الوجه الذى  
يمنع التكفير تحسینا للظن بالمسلم وفى التا تار خانیه لا  
یکفر بالمتحمل لان الکفر نهائة فى العقوبة فيستدعى  
نهائة فى الجنایة و مع الاحتمال نهائة۔ انتھی والذى تحرر  
انه لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه على محمل  
حسن او كان فى کفره اختلاف ولو بروایة ضعیفة (۱)

”فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ کفر بہت بڑی چیز ہے میں کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا جب تک اس کے کافر نہ ہو سکنے کی ایک روایت بھی دستیاب ہو سکے۔ خلاصہ میں ہے جب ایک مسئلہ میں بہت سی وجوہ کفر کی مقتضی ہوں اور ایک وجہ ایسی پائی جائے جو کفر سے مانع ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ مسلمان پر حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اسی وجہ کو ترجیح دے جو کفر کو منع کرتی ہے تا تار خانیه میں ہے ایسے کلام سے جس میں مختلف احتمال موجود ہوں کافر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی عقوبت انتہائی جرم پر ہو اور جب تک اچھے محل پر حمل کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں احتمال ہو خواہ ضعیف روایت سے ہی کیوں نہ ہو کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔“

مولانا امام الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور کلہ اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔“ (1)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

ان استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر اذ ثبت

كونها معصية بدلالة قطعية (2)

”کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کو حلال جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرنا کفر ہے جب کہ اس کا گناہ قطعی دلیل سے ثابت ہو۔“

یعنی کوئی گناہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو اس کا مرتکب اس وقت تک کافر نہ ہوگا جب تک اس کا مرتکب اسے حلال جانتے ہوئے نہ کرے اور اس کا گناہ ہونا بھی دلیل قطعی سے ثابت ہو صرف ظن و تخمین سے نہیں۔

احتمالات کفر کی عصر حاضر میں تطبیق

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ فقہائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی انسان کوئی ایسا کام کرتا ہے جس میں کچھ چیزیں کفریہ ہو سکتی ہیں اور کچھ اسلام کے مطابق تو جب واضح طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا فاعل اس سے کفریہ ارادہ سے ہی کر رہا ہے اس وقت تک اسے کافر نہیں کہنا چاہیے جب تک اس کام کے کفر نہ ہونے کی کوئی ایک وجہ بھی پائی جاسکتی ہو تو اسے کفر پر محمول نہ کرنا ضروری ہے۔

فرض کیجئے ایک بندہ پڑھتا ہے۔

(i) الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

اس میں بہت سے احتمالات پائے جاسکتے ہیں۔

۱۔ ممکن ہے وہ یہ ندا شوقیہ اور محبت میں کر رہا ہو۔

- ۲۔ ممکن ہے اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ میرا یہ درود حضور اکرم ﷺ تک پہنچا دے گا۔
- ۳۔ ممکن ہے اس کا عقیدہ یہ ہو کہ میرا یہ سلام وہ فرشتہ حضور اکرم ﷺ تک پہنچائے جسے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے لیے متعین فرمایا ہے۔ وہ ساری دنیا سے پڑھے جانے والے درود و سلام حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ”تحفۃ“ پیش کرتا ہے۔
- ۴۔ ممکن ہے اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت مرحمت فرمائی ہے کہ وہ اپنی ذات پہ پڑھا گیا درود و سلام خود سن لیتے ہیں اور اس کا یہ عقیدہ کسی دلیل پر مبنی ہو یہ تو ممکن ہے کہ کوئی بندہ اس کی دلیل سے اختلاف کرے لیکن نفس دلیل کے پائے جانے میں تو اختلاف نہیں اور پہلے گزر چکا کہ تاویل فاسد کی بنا پر کیا گیا کوئی عمل بھی کفر نہیں ہوتا اور اپنے اس عقیدہ پر وہ اس حدیث مبارک کو دلیل بناتا ہو۔

قال الطبرانی حدثنا يحيى بن ايوب العلاف حدثنا سعيد ابن ابى مریم خالد ابن زيد عن سعيد ابن ابى هلال عن ابى الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة على يوم الجمعة فانه يوم مشهود تشهدہ الملائكة ليس من عبد يصلى الا بلغنى صوته حيث كان قلنا و بعد و فاتك؟ قال و بعد و فاتى ان الله حرم على

الارض ان تاكل اجساد الانبياء (1)

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشہور ہے اس دن (خصوصیت سے زیادہ) فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی بھی بندہ مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو وہ جہاں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کی وفات کے بعد بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ

تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔“

اس روایت کے حاشیہ پر لکھا ہے

ذکرہ الحافظ المنذری فی الترغیب و قال رواہ ابن ماجہ با سند  
جید۔ حافظ منذری نے اس حدیث کو الترغیب میں ذکر کیا اور فرمایا کہ ابن ماجہ نے اسے  
جید سند سے روایت کیا۔

اس اور اس جیسی دیگر روایات کی بنا پر ممکن ہے اس طرح درود و سلام پڑھنے والا یہ عقیدہ  
رکھتا ہو کہ میرا درود و سلام حضور اکرم ﷺ خود سن لیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ  
سماعت عطا فرمائی ہے۔

۵۔ ممکن ہے کوئی اس طرح درود و سلام پڑھنے والا یہ عقیدہ رکھے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ  
کی عطا کے بغیر ہی میرا درود و سلام خود سن لیتے ہیں۔ امکان کا دائرہ تو بہت وسیع ہے  
لیکن کوئی بھی کلمہ گویا عقیدہ نہیں رکھتا۔

اس طرح پڑھے گئے درود و سلام کے کم از کم یہ پانچ احتمالات ہو سکتے ہیں جن میں سے  
صرف پانچواں احتمال شرک ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ گویا اس میں چار  
احتمال اسلام اور پانچواں احتمال شرک کا ہے۔ اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ یونہی کسی کو اس  
طرح درود و سلام پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس پر کفر اور شرک کا فتویٰ جڑ دیا بلکہ اس کی کڑیاں  
مشرکین مکہ کے ساتھ جاملیں۔

(ii) ایک صاحب کسی مزار پہ جاتے ہیں تو اس میں بھی چند احتمالات ہوتے ہیں۔

۱۔ ممکن ہے وہ مزارات پر عبرت کے لیے گیا ہو کیونکہ قبور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔  
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروا القبور فانها تذهد في

الدنيا و تذكر الاخرة رواه ابن ماجه باسناد صحيح (1)

”تمہیں میں نے قبروں پر جانے سے منع کیا تھا اب قبروں پر جایا کرو کیونکہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہیں۔“

۲۔ ممکن ہے وہ وہاں فاتحہ پڑھنے کے لیے گیا ہو۔

۳۔ ممکن ہے وہ صاحب مزار کے وسیلہ سے دعا کرنے گیا ہو۔

۴۔ ممکن ہے وہ صاحب مزار سے عرض کرے کہ اللہ تعالیٰ سے میری فلاں مشکل حل ہونے کے لیے دعا فرمائیں اور اس کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت سماعت عطا فرمائی ہے اور اس عقیدہ پر اس کے پاس دلائل ہوں۔

۵۔ ممکن ہے وہ صاحب مزار سے کہے کہ تم میرا یہ کام کرو۔ اس کی پھر دو صورتیں بن سکتی ہیں یا تو وہ نسبت مجازی سمجھ کر یہ کہہ رہا ہو اور ممکن ہے صاحب مزار کو مستقل بالذات سمجھ کر کہہ رہا ہو۔ یہ صورت بالاتفاق شرک ہے۔ نسبت مجازی شرک نہیں ہے۔ پہلی چار صورتوں میں پہلی دو صورتیں بالاتفاق جائز ہیں جنہیں کوئی بھی مسلمان شرک نہیں کہتا اور دوسری دو بھی اگرچہ اسلامی اصولوں کے مطابق درست ہیں لیکن بہر حال ان میں اختلاف پیدا کر دیا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مزار پر جانے میں کچھ احتمالات بالاتفاق ایسے ہیں جن کے سبب مزاروں پر جانا نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت میں مطلوب ہے اب جو صاحب مزاروں پر جانے کو مطلق شرک کہہ دیتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے پاس کون سی وحی آتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم جانے والے کی ایک ہی نیت کا تعین کرتے ہیں جو شرک ہوتی ہے۔ کیا اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے متعلق حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس فتویٰ میں تبدیلی ممکن نہیں؟

(iii) ایک صاحب نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرتے ہیں اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر سمجھ کے ثواب کے حصول کے لیے کر رہے ہوں اور ایک احتمال یہ ہے کہ لوگوں کی نمازیں خراب کرنے کے لیے کر رہے ہوں اب ظاہر ہے ایک مسلمان جو

اپنا کام کاج چھوڑ کے مسجد میں نماز پڑھنے گیا ہے وہ دوسروں کی نمازیں خراب کرنے کا گناہ اپنے سر کیوں لے گا تو دوسرا احتمال ہی زیادہ قوی ہے وہ حصول ثواب کی نیت سے کر رہے ہوں اب ذکر کرنے والوں پر مطلق یہ فتویٰ لگا دینا کہ کہ لوگوں کی نمازیں خراب کرنے کے لیے کرتے ہیں کہاں کا انصاف ہے؟

ایک صاحب نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر نہیں کرتے اس میں بھی کم از کم دو احتمال ہیں ممکن ہے اس کے نزدیک ذکر کا یہ طریقہ بدعت ہو یعنی مطلق ذکر سے انکار نہیں یہ مروج طریقہ ان کے نزدیک خلاف سنت ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ ذکر کے ہی منکر ہوں اب ظاہر ہے ایک مسلمان آخر ذکر الہی کا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے پہلا احتمال ہی قوی ہے کہ ان کے نزدیک یہ معروف طریقہ خلاف سنت ہے اور اس سے نماز مکمل کرنے والوں کی نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس لیے وہ یہ ذکر نہیں کرتے لیکن نیت دونوں کی خیر ہے۔ اس لیے ذکر نہ کرنے والوں پر ذکر کے دشمن ہونے کا فتویٰ لگانا کہاں کی دانشمندی ہے؟

(iv) ایک صاحب نماز میں رفع یدین کرتے ہیں اس میں بھی دو احتمال ہیں ممکن ہے اس کے نزدیک سنت سے یہی ثابت ہو اور ممکن ہے وہ سنت کے دشمن ہوں۔ ظاہر ہے ایک مسلمان سنت کا دشمن کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی دلیل صحیح ہے یا غلط۔ اس کا موقف خطا ہے یا صواب بہر حال وہ بھی اپنے خیال میں ایک سنت پر ہی عمل کر رہا ہے۔

اور ایک صاحب نماز میں رفع یدین نہیں کرتے یہاں پھر مذکورہ دونوں احتمال ہیں۔ ممکن ہے اس کے نزدیک سنت طریقہ رفع یدین نہ کرنا ہی ہو اور ممکن ہے وہ سنت کا تارک ہو اب ظاہر ہے ایک مسلمان بھلا سنت کی دیدہ و دانستہ مخالفت کیسے کر سکتا ہے؟ آپ اس سے اختلاف تو کر سکتے ہیں لیکن اس پر سنت کے دشمن ہونے کا الزام نہیں لگا سکتے۔

ایسے ہی دیگر مسائل مثلاً امین بالجہر، رکعات تراویح، میلاد منانا، فاتحہ دلوانا، نذر و نیاز، اور اسی طرح کے دیگر بے شمار مسائل میں دونوں احتمال ہوتے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کسی بھی عمل کو جس سے ہمیں اختلاف ہے اچھے احتمال پر محمول کر لیں؟ بے

شک دلیل کا اختلاف رہے۔ بے شک ہر کوئی اپنے اپنے طریقے پر عمل کرے۔ لیکن ایک محبت کی فضا ضرور قائم ہوگی۔ ایک دوسرے کو کافر و مشرک نہیں سمجھا جائے گا۔ دلیل کا اختلاف دلیل کا اختلاف ہی رہے گا۔ اگر یہ فکر پروان چڑھ جائے تو نفرتوں اور کدورتوں کی آگ بجھ جائے گی۔ ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنے کی بجائے امت مسلمہ اپنے مقصد اصل کی طرف متوجہ ہوگی کہ اللہ کا دین دنیا کے چپے چپے پر پہنچایا جائے اور امت مسلمہ کو بے عملی سے محفوظ کیا جائے۔

میں اس بحث کو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں ہو اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں۔

علماء کرام را بحسب مقتضائے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ  
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ واجب است کہ در امر  
معروف و نہی عن المنکر مساعی جمیلہ بکار برند نہ آن  
کہ فقط بہ تکبیر و عوام کالانعام جوشش شرعی ظاہر  
نمائند در سراج المنیر آمدہ اذا کان فی المسئلۃ وجوہ  
توجب الکفر وجہ واحد یمنعہ فعلی المفتی ان یمیل الی  
الوجہ الذی یمنع التکفیر تجنباً عن سوء الظن بالمسلم  
وفی کتاب البیواقیت و الجواہر و نقل الشیخ ابو طاہر  
القزوینی فی کتابہ سراج العقول عن احمد ابن زاهر  
السرخسی اجل اصحاب الشیخ ابی الحسن الاشعری  
رحمہ اللہ قال لما حضر الشیخ ابی الحسن الاشعری  
الوفاة فی داری بیغداد قال لی اجمع لی اصحابی  
فجمعتهم فقال لنا اشهدوا علی انی لا اقول بتکفیر احد  
من عوام اهل القبلة لا نی رایتہم کلہم یشیرون الی معبود

واحد والاسلام یשמلمهم ویعهم.....

خلاصہ آن کہ اہل قبلہ را کافر نباید گفت اور الادر صورت کہ انکار نماید امری ضروریات دین مثلاً صوم و صلوة یا مطلق امر شرعی بودن او (1)

علماء کرام کو چاہیے کہ اپنی تمام تر توجہ اور سعی بحسب اقتضائے کُنْتُمْ حَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرٍ جَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں صرف فرمائیں نہ یہ کہ عوام کالانعام کے کافر بنانے میں ہی پورے جوش کا اظہار کرتے پھریں۔ سراج المنیر میں ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں بہت سے وجوہ کفر کی مقتضی ہیں اور صرف ایک وجہ کفر کو منع کرتی ہے تو مفتی کو مسلمان پر حسن ظن رکھتے ہوئے اس ایک وجہ کی طرف میلان کرنا چاہیے۔

الیواقیت والجبواہر میں ہے کہ شیخ ابوطاہر قزوینی نے اپنی کتاب سراج العقول میں احمد بن زاہر سرخی سے نقل کیا ہے (جو شیخ ابن الحسن اشعری کے اجل شاگردوں میں سے ہیں)۔ فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابوالحسن اشعری بغداد میں میرے گھر میں فوت ہونے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے تمام شاگردوں کو جمع کرو۔ پس میں نے سب کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم گواہ رہو کہ میں اہل قبلہ میں سے ایک کو بھی کافر نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ سب ایک خدا کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسلام سب کو شامل ہے۔

خلاصہ کلام اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے مگر اس صورت میں کہ وہ ضروریات دین کا انکار کر دیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ یا کسی شرعی حکم کو شرعی حکم سمجھتے ہوئے منکر ہو جائیں۔

کاش ہم قبلہ پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ صاحب کے اس موقف کو سمجھیں۔ جو ان کا ذاتی موقف ہی نہیں بلکہ فقہاء اسلام کے افکار سے متضاد ہے۔ ہم اسے سمجھیں اور اسے عملی زندگی میں نافذ بھی کریں۔



## (v) باتیں بڑے لوگوں کی

بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں ان کی ایک ایک بات زندگی کے رخ متعین کرنے کے لیے خضر راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں اپنی اس کتاب کا اختتام ان عظیم لوگوں کی عظیم باتوں سے کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کوئی بات ہمارے دلوں میں اتر جائے۔ فتنہ و فساد کے شعلے بجھ جائیں اور امت کو وحدت و یگانگت کی دولت نصیب ہو جائے۔

(۱) سب سے پہلے باب مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان گرامی ملاحظہ ہو

قال له بعض اليهود ما دفنتم نبیکم حتی اختلفتم فیہ فقال  
له انما اختلفنا عنه لا فیہ و لكنکم ما جفت ارجلکم من  
البحر حتی قلمتم لنبیکم اجعل لنا الها کما لهم الهة قال

انکم قوم تجهلون (۱)

”کسی یہودی نے آپ سے کہا کہ تم مسلمانوں نے ابھی اپنے نبی (ﷺ) کو دفن بھی نہیں کیا تھا کہ تم نے ان کے متعلق اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے اسے فرمایا ہمارا اختلاف نبی ﷺ سے مروی روایات کے بارے میں تھا۔ اصل دین اور ان کی ذات کے متعلق نہیں تھا۔

آپ نے فرمایا ہم نے تو ان سے مروی روایات پر اختلاف کیا نہ کہ ذات پیغمبر پر (یعنی ہمارا اختلاف اصل دین پر نہیں تھا صرف اس پر تھا کہ کون سی روایت زیادہ قابل عمل ہے) لیکن (دریائے نیل سے نکل کر) ابھی تمہارے پاؤں بھی خشک نہ ہوئے کہ تم نے اپنے نبی (حضرت موسیٰ) سے کہہ دیا۔ کہ ہمارے لیے بھی ویسے خدا بنا دو تجسے جیسے ان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بڑی جاہل قوم ہو۔“

یعنی ہمارا اختلاف صرف اس پہ تھا کہ اس وقت ہمیں کس روایت پہ عمل کرنا ہے اور خلافت کے متعلق حضور ﷺ کے فرمان کی منشاء کیا ہے۔ دین کے اصول اور رسالت کے

متعلق ہم سب متفق تھے اور تم نے اپنے پیغمبر کی بنیادی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے ان سے شرک کروانے کا مطالبہ کر دیا تھا۔

کاش ہم ”اختلفنا عنه لا فیہ“ کا فلسفہ سمجھ لیں۔ کہ مختلف مسالک کے اختلافات نفس دین اور ذات پیغمبر کے متعلق نہیں بلکہ حضور ﷺ سے مروی احادیث مبارکہ کی صحت اور تقویت کے متعلق ہیں نفس دین میں ہم سب ایک ہیں۔ کسی کے نزدیک ایک حدیث رائج ہے اور کسی کے نزدیک دوسری۔

۲۔ مولانا وحید الدین خان نے تاریخ اسلام کا ایک واقعہ رقم کیا ہے وہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

”جس زمانے میں حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات بہت بڑھے ہوئے تھے قسطنطنیہ کی عیسائی (رومی) حکومت نے سمجھا کہ یہ وقت مسلم سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے اس نے ایک بڑی فوج جمع کی اور ایران کے شمالی صوبوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ علاقہ اس وقت حضرت علی کی حکومت میں شامل تھا اس نازک موقع پر جب کہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اگر یہ حملہ ہو جاتا تو حضرت علی کے لیے اس کو بچانا مشکل ہو جاتا بظاہر دکھائی دیتا تھا کہ اسلامی خلافت کا ایک وسیع علاقہ کٹ کر عیسائی سلطنت میں شامل ہو جائے گا۔

عیسائی حکمران قسطنطنیہ کے قلعہ میں بیٹھا ہوا تمام خبریں لے رہا تھا وہ اسلامی خلیفہ (حضرت علی) کی مشکلات سے خوب واقف تھا۔ اس کو یقین تھا کہ علی، معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے لیے حریف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ضرور علی (رضی اللہ عنہ) کو کمزور کرنے کے لیے عیسائی کوششوں سے خوش ہوں گے اور مزاحمت کرنے والوں میں شامل نہ ہوں گے اور اس کی مہم آسانی سے کامیابی کے مرحلہ تک پہنچ جائے گی۔

مگر امیر معاویہ ایک اونچے انسان تھے وہ حضرت علی سے اختلاف کے باوجود ان کے عائد نہیں تھے۔ وہ اس معاملے کو اس حد تک لے جانے کے لیے تیار نہ تھے کہ ان دونوں کا



”جب حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضرت عثمان غنی کی اقتداء میں چار رکعتیں پڑھیں۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ آپ کو تو اس مسئلہ میں حضرت عثمان سے اختلاف ہے تو آپ نے فرمایا اختلاف بہت بری چیز ہے۔“

یعنی اگرچہ میرے نزدیک سنت طریقہ قصر ہی ہے اور میں حضرت عثمانؓ کی دلیل سے متفق نہیں ہوں۔ لیکن امت کو اختلاف سے بچانے کے لیے میں حضرت عثمانؓ کی وہ دلیل مان لیتا ہوں جس سے میں متفق نہیں ہوں۔

۴۔ امام شافعی کو امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے بہت سے فقہی اختلافات ہیں اسی لیے تو امام شافعی ایک فقہی مسلک کے مؤسس ہیں۔ اتنے شدید اختلافات کے باوجود ان کی عظمت کا یہ پہلو ملاحظہ ہو۔

علامہ ابن حجر کی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”امام شافعی رحمہ اللہ جب بغداد میں فروکش تھے۔ فرمایا کہ میں امام ابوحنیفہ سے برکت لیتا ہوں۔ اور ان کی قبر مبارک کی زیارت کرتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس جاتا ہوں۔ خداوند عالم سے وہاں دعا کرتا ہوں تو فوراً حاجت روائی ہو جاتی ہے۔ منہاج نووی کے حاشیہ پر بعض متکلمین نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی نے صبح کی نماز امام صاحب رحمہ اللہ علیہ کی قبر کے پاس پڑھی۔ جس میں دعائے قنوت کو ترک کیا کسی نے سبب پوچھا۔ تو فرمایا اس قبر والے کے ادب سے۔ اس کو اور لوگوں نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس قدر اور بڑھایا ہے کہ آپ نے بسم اللہ بھی زور سے نہ پڑھی۔“ (۱)

۵۔ ”ایک روز قاضی ابو عاصم حنفی رحمہ اللہ نماز مغرب کے لیے جا رہے تھے۔ وہ قفال شافعی رحمہ اللہ کی مسجد میں داخل ہو گئے۔ جن سے مختلف مسائل میں اس کے مباہثے اور مناظرے ہوا کرتے تھے۔

فقہ شافعی رحمہ اللہ نے قاضی ابو عاصم حنفی رحمہ اللہ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو مؤذن سے کہا کہ آج اذان ترجیع کے بغیر (جس میں شہادت کے کلمات کو دہرایا جاتا ہے) حنفی طریقے سے دی جائے۔ اذان کے بعد علامہ فقہ شافعی نے ابو عاصم حنفی رحمہ اللہ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ تو ابو عاصم حنفی نے رفع یدین وغیرہ کے ساتھ شافعی طریقہ کے مطابق نماز پڑھائی۔ (۱)

امام شافعی کا عمل ہو جس کا ایک نمونہ اس سے پہلی مثال میں گزرایا ابو عاصم حنفی اور القفال شافعی کا یہ عمل ہو۔ یہ کسی منافقت یا ترک سنت پر مبنی نہیں کہ ان حضرات نے ایک انسان کو خوش کرنے کے لیے سنت کو ترک کر دیا۔ اور نہ ہی استغفر اللہ یہ عمل کسی منافقت پر مبنی تھا کہ دل میں تو اور بات تھی اور محض کسی کو خوش کرنے کے لیے بظاہر اور کام کیا۔

بلکہ یہ عمل ان کی وسعت قلبی اور فراخ دلی کو ظاہر کرتا ہے، انہیں یقین تھا کہ ہم جس طریقہ پر عمل پیرا ہیں وہی سنت سے ثابت ہے لیکن جس طریقہ پر ہمارے مخالف عمل کر رہے ہیں وہ بھی محض کسی رائے یا خواہشات نفس پر مبنی نہیں بلکہ وہ بھی سنت سے ہی ثابت ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک جس طریقہ پر ہم عمل پیرا ہیں وہ زیادہ رائج اور قابل عمل ہے۔ چونکہ اجتہادی مسائل میں اصول یہی ہوتا ہے کہ میرا عمل صواب محتمل خطا ہے اور دوسرے کا عمل خطا محتمل صواب ہے۔ تو ان حضرات نے انتہائی وسیع النظری سے کام لیتے ہوئے ایک مخصوص وقت کے لیے اپنی تحقیق کو چھوڑ کر دوسرے کی تحقیق کو رائج کر لیا۔ جس سنت پر خود عمل کرتے تھے اس کی بجائے اس سنت پر عمل کر لیا جس پر دوسرا عمل پیرا تھا یہ اعلیٰ اور مقدس فکر انتہائی تقویٰ و تدین اور رسوخ فی العلم سے پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ اس دور کی تقسیم در تقسیم روش اور قلت علمی کے سبب عملی طور پر تو شاید ایسا نہ ہو سکے لیکن یہ فکر اپنانے سے نفرتیں تو مٹ جائیں۔ تشمت و افتراق کی آگ بجھ جائے گی اگر ہم دوسرے کے متعلق یہی سوچ لیں کہ یہ بھی اپنے خیال میں قرآن و سنت پر ہی عمل کر رہا ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک اس کی

دلیل غلط ہے۔ کاش ہم اکابرین امت کے ان حسین رویوں کو اپنے دلوں میں اتار لیں۔

۶۔ پاکستان کی ایک بہت بڑی جماعت کے امیر کو ایک صاحب بہت زیادہ گالیاں دیا کرتے تھے۔ ایک دن امیر صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی گالیاں دینے والے صاحب کی مسجد کے پاس سے گزر رہے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ تو امیر صاحب انہیں کی مسجد میں چلے گئے۔ اور انہوں نے انہیں صاحب کے پیچھے نماز پڑھی جو انہیں گالیاں دیا کرتے تھے۔ امیر صاحب کے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا۔ جب انہوں نے ان سے استفسار کیا کہ مولانا یہ آپ نے کیا کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تک وہ نماز پڑھاتے رہے انہوں نے مجھے کوئی گالی نہیں دی۔ بعد میں دیں تو دیتے رہیں۔

۷۔ پیر زادہ محمد بہاؤ الحق قاسمی فرماتے ہیں۔

”میں اکثر نماز عصر کے وقت حضرت پیر مہر علی شاہ گلوڑوی کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز حضرت کے مصاحب خاص مولانا محبوب عالم صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے حضرت سے کہا۔ اب کے تمام جماعتوں نے ان کے پیچھے نماز عید ادا کی ہے تو حضرت گلوڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخاطب کر کے پنجابی زبان میں فرمایا۔ ”تسین نے جامع السعفر قین نکلے“ میرے لیے یہ وہ اعزاز ہے جس پر جس قدر فخر کروں کم ہے۔“ (۱)

کاش! امت مسلمہ کا ہر فرد ”جامع السعفر قین“ بننے کا شرف حاصل کرنے کا ولولہ لیکر نکلے۔ تو کتنا حسین منظر ہو، کتنا دلکش نظارہ ہو کہ پوری امت اختلاف و انتشار کی آگ بجھا کر وحدت و یگانگ کی لڑی میں پروئی جائے۔

اختلاف اگر صرف دلیل کی حد تک رہیں تو نفرتوں کو جنم نہیں دیتے جب اختلاف دلیل سے بڑھ کر ان اپرستی، مفاد پرستی اور اکابر پرستی کی بنیادوں پر پھیلتے ہیں تو پھر کوئی دلیل دلیل نہیں رہتی۔ آگ بڑھتی ہے اور بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ قوموں کے وجود بھسم ہو کے رہ جاتے ہیں، ملت کے

کھلیاں راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ لیکن قوم کے رہنماؤں کو اس نقصان کا اندازہ کرنے کا بھی وقت نہیں ملتا۔ وہ خوش ہوتے ہیں کہ فلاں مسلمان ملک پر فلاں کافر ملک نے حملہ کر دیا چلو اچھا ہوا فلاں مسلک کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ بھول جاتے ہیں کافر کسی مسلک کو نہیں جانتے وہ ایک مسلمان کو صرف مسلمان جانتے ہیں۔ وہ اپنی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور ہم صرف خوش فہمیوں کی دنیا آباد کیے رہتے ہیں اور یہ کبھی نہیں سوچتے۔

میں آج اگر زد پہ ہوں تو خوش گمان نہ ہو

چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

اللہ رب العزت امت مسلمہ کو باہمی اختلاف بھلا کر وحدت و یگانگت کی دولت نصیب فرمائے۔ اور مسلکی خول سے نکل کر دین کے لیے کام کرنے کے جذبے نصیب فرمائے اور آپس میں اپنی صلاحیتیں برباد کرنے کی بجائے امت مسلمہ اپنی اصلاح اور پوری کائنات تک اسلام کا نور پھیلانے کا فریضہ سرانجام دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علینا انک انت التواب  
الرحیم اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا  
اجتنابہ اللهم ارنا الاشیاء کما هی و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا و  
مولانا و شفیعنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین آمین

محمد حبیب اللہ چشتی

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

برطانیق ۲۹۔ اپریل ۲۰۰۷ء

## مصادر و مراجع

قرآن کریم اور صحاح ستہ کے علاوہ جن کتب سے بلا واسطہ یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں۔

- ۱۔ اعلاء کلمۃ اللہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۔ اسلام اور رواداری رئیس احمد جعفری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
- ۳۔ امت مسلمہ کے لیے سبہ نکاتی لائحہ عمل ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی، لاہور
- ۴۔ اسلام میں مذہبی رواداری صباح الدین عبدالرحمن
- ۵۔ اسلام بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نغمے میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی۔ مترجم سلمان ندوی
- ۶۔ اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب ڈاکٹر جابر فیاض
- ۷۔ امت مسلمہ۔ عبرتناک حال الحاج ظہور الحسن، عالمی دعوت اسلامیہ،
- ۸۔ اتحاد بین المسلمین تائبناک ماضی ۱۰۔ فصیح روڈ، اسلامیہ پارک، لاہور
- ۹۔ اتحاد امت اور ضیاء لامت مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی
- ۱۰۔ تفسیر کبیر خصوصی شمارہ مجلہ جمال کرم
- ۱۱۔ تفسیر ابن کثیر امام فخر الدین رازی دفتر تبلیغات اسلامی ایران
- ۱۲۔ تفسیر ضیاء القرآن الامام الحافظ ابن کثیر الدمشقی
- ۱۳۔ الترغیب والترہیب جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
- ۱۴۔ تفسیر جلالین الامام المنذری، دار ابن حزم۔ بیروت
- ۱۵۔ تذکرہ امام جلال الدین سیوطی،
- ۱۶۔ الخیرات الحسان علامہ عنایت اللہ مشرقی
- ۱۷۔ خطبات سید ابوالاعلیٰ مودودی،
- ۱۸۔ ۷۳ فرقے کیسے بنے؟ مویٰ خان جلال زئی
- ۱۹۔ اتحاد ملت مولانا وحید الدین خان



- ۲۰۔ ترجمان السنۃ مولانا بدر عالم میرٹھی
- ۲۱۔ خطبات بہاولپور ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- ۲۲۔ روح تصوف خورشید احمد گیلانی، فرید بک شال، لاہور
- ۲۳۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ مولانا صدر الدین اصالحی
- ۲۴۔ شرح الفقہ الکبیر ملا علی قاری قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی
- ۲۵۔ سیرت ابن ہشام علامہ ابن ہشام، دارالریان للٹرائٹ، القاہرہ
- ۲۶۔ فیصلہ کیجئے شبیر محمد جمشیدی
- ۲۷۔ فقہی اختلافات کی اصلیت شاہ ولی اللہ دہلوی مترجم پرو فیئر محفوظ الرحمن
- ۲۸۔ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟ پرو فیئر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
- ۲۹۔ کلیات اداویہ حاجی امداد اللہ مہاجرکی، دارالاشاعت، کراچی
- ۳۰۔ کلیات اقبال علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
- ۳۱۔ رسول اکرم اور رواداری ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، فضلی سنز کراچی
- ۳۲۔ حضور اکرم پیغمبر امن و سلامتی ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، مکتبہ زاویہ، لاہور
- ۳۳۔ مقالات سیرت۔ دور حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان
- ۳۴۔ مسئلہ ایمان و کفر قرآن وحدیث مولانا طاہرین تنظیم اسلامی لاہور
- ۳۵۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ مولانا مناظر احسن گیلانی
- ۳۶۔ مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی اشرف ظفر، النور پرنٹرز، لاہور
- ۳۷۔ مذہبی رواداری صفدر حسین صدیقی، مشعل، لاہور
- ۳۸۔ مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس
- ۳۹۔ المقاصد الحسنۃ امام عبدالرحمن سخاوی، دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۴۰۔ وحدت امت مولانا مفتی محمد شفیع، دارالاشاعت، کراچی
- ۴۱۔ وحدت امت مولانا محمد اسحق، مکتبہ ملیہ، فیصل آباد
- ۴۲۔ نبج البلاغہ مترجم رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
- ۴۳۔ مطالعہ مذاہب ڈاکٹر محسن عثمانی،

# پروفیسر محمد حبیب اللہ چشتی

## کی دیگر کتب

مقاماتِ رسالت ﷺ

رُوحِ عبادت

اُمتِ مسلمہ کا  
عروج و زوال

اسلامی  
اسلوبِ دعوت

شبیر و یزید

معارفِ درود و سلام

عقیدہ ختمِ نبوت

قرآن کا فلسفہ حیات

اسلام کیا ہے؟

دلائل التوحید

قرآن  
یہود اور ہم